مطالعۂ علومِ اسلامیہ

اردو ترجمہ

# کتاب النکاح

## مِنَ الہدایۃ


المکتبۃ العلمیۃ

۱۵- لیک روڈ، لاہور

الطباعۃ والنشر والتوزیع

مغرب پاکستان

CA

اُردو ترجمہ

# الہدایہ

## (کتاب النکاح)


غازی احمدؒ۔ ایم۔ اے (علومِ اسلامیہ) ایم۔ اے (عربی)
ایم۔ او۔ ایل۔ بی۔ ایڈ۔ فاضلِ درسِ نظامی
شعبۂ علومِ اسلامیہ۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور

بتجدیدِ نظر
بشیر احمد صدیقی۔ ایم۔ اے (عربی)
ایم۔ اے (علوم اسلامیہ)



المکتبۃ العلمیۃ ۵ الیک روڈ
لاہور



Marfat.com

24784

(حمایت اسلام پریس لاہور)

قیمت : -/7 روپے

# انتساب

میں اپنی سعیِ ناتمام کو منبعِ فیض و عرفان حضرت
الاستاذ علامہ علاؤالدین صدیقی مدظلہ العالی کے
نامِ نامی سے منسوب کرتا ہوں جن کی راہنمائی نے
قدم قدم پر میرا ساتھ دیا اور جن کے پُرخلوص نصائح
نے میدانِ عمل میں قدم رکھنے کی جرأت پیدا کی۔

Marfat.com

Marfat.com

# مُصنّفؒ ہدایہ کا مختصر تعارف

مؤلف ہدایہ کا اسم گرامی شیخ الاسلام برہان الدین ابوالحسن علی بن ابی بکر بن عبدالجلیل الفرغانی المرغینانی ہے۔ آپ کا شجرۂ نسب سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ آپ صوبہ فرغانہ کے شہر مرغینان کے رہنے والے تھے۔ آپ کی ولادت آٹھ رجب ۵۱۱ھ میں ہوئی۔ (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام اور چارلس ہملٹن کے ترجمہ کے دیباچے میں آپ کا سنِ ولادت ۵۳۵ھ ۱۱۵۳ء درج ہے) چودہ ذی الحج ۵۹۳ھ کو آپ کی وفات ہوئی۔ اور سمرقند میں آپ کو سپردِ خاک کیا گیا۔

تحصیل علم کی خاطر آپ نے مختلف اسلامی ممالک کا سفر کیا اور اپنے زمانے کے مشہور اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ ان میں سے چند ایک کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ مفتی الثقلین نجم الدین ابوحفص عمر النسفی۔ الصدر الشہید حسام الدین عمر بن عبدالعزیز۔ امام ضیاء الدین محمد بن الحسین۔ امام قوام الدین احمد بن عبدالرشید البخاری۔ ابوعمرو عثمان بن علی البیکندی ضیاء الدین ابومحمد سعید بن ابواسعد سے ترمذی شریف پڑھی اور ان سے سندِ حدیث حاصل کی آپ نے حصولِ تعلیم کے حالات ایک رسالے میں تحریر کئے مگر یہ آج کل دستیاب نہیں ہوتا۔

صاحبِ ہدایہ اپنی زندگی میں ہی شہرت کی اعلیٰ منازل طے کر چکے

تھے۔ امام فقیہہ، حافظ، محدث، جامع العلوم، ضابط الفنون، محقق، فاضل وغیرہ جیسے الفاظ آپ کی ذات گرامی کے لئے استعمال کئے جاتے تھے۔

چارلس ہملٹن انگریزی ترجمے کے دیباچے میں رقم طراز ہیں۔

As a Lawyer his reputation was beyond of all his contemporaries. He produced several works upon jurisprudence, which are all considered as of unquestionable authority (P. 2 xxxi)

آپ کی تصانیف کثرت سے ہیں۔ جن میں سے مندرجہ ذیل خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ کتاب مجموع النوازل کتاب التجنیس والمزید۔ کتاب فی الفرائض۔ کتاب المنتقی۔ مناسک الحج۔ بدایۃ المبتدی۔ کفایۃ المنتہی الہدایۃ جو شہرت اور عظمت ہدایہ کو نصیب ہوئی وہ دوسری کتب کو حاصل نہ ہو سکی۔ یہ کتاب حنفی مسلک کے مطابق تحریر کی گئی ہے۔ دوسرے ائمہ کے مسائل کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ ساتھ ساتھ ان کے دلائل بھی ہیں۔ صاحب ہدایہ نے دوسرے ائمہ کے دلائل کے شافی و کافی جواب دے کر اپنے مسلک کی تائید کی ہے۔ اس لحاظ سے یہ لاثانی حیثیت رکھتی ہے۔ شیخ عماد الدین فرماتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| کتاب الہدایۃ ہدی للوریٰ | الی حائط علیہ ویحلو الجنیٰ |
| فلازمہ واحفظہ یا ذا الجنیٰ | فمن نالہ نال اقصی المنیٰ |

ایک اور شعر ہدایہ کے متعلق بہت مشہور ہے۔

ان الہدایۃ کالقرآن قد نسخت : ما صنف قبلھا فی الشرع من کتب

مصنفؒ نے فقہ میں ایک مختصر سا رسالہ بدایۃ المبتدی کے نام سے تصنیف کیا۔ بعد میں اسی کتاب کی ایک مفصل شرح کفایۃ المنتہی کے نام سے لکھی جو اسی (۸۰) جلدوں پر مشتمل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مصر کے کتب خانے میں اس کا قلمی نسخہ موجود ہے۔ مصنفؒ ہدایہ کے دیباچے میں تحریر فرماتے ہیں

"حین اکملت تلک الکفایۃ تمنیت فیہ نبذا من الاطناب وحبیت ان یجرد جملہ الکتاب فصرفت عنان الکفایۃ الی شرح آخر موسوم بالہدایۃ"

ہدایہ بھی بدایۃ المبتدی کی شرح اور کفایۃ المنتہی کی تلخیص ہے۔ اس کی ابتدا ۵۷۳ھ میں کی اور پورے تیرہ سالوں میں اس کی تکمیل کی۔ مصنفؒ کے اخلاص اور زہد کا یہ عالم تھا کہ تیرہ سال مسلسل روزے رکھتے رہے مگر گھر والوں کو بھی اس کا علم نہ ہو سکا۔ خادم صبح کا کھانا لے کر مسجد میں جاتا تو آپ کھانا کسی مسکین کو دے دیتے اور خالی برتن گھر بھیج دیتے۔

ایک مرتبہ جامع مسجد میں درس دے رہے تھے۔ شاگردوں نے ایک عجیب کیفیت کا مشاہدہ کیا کہ استادِ مکرم بار بار کھڑے ہوتے اور بیٹھ جاتے۔ شاگردوں نے عرض کیا حضرت کیا معاملہ ہے۔ فرمایا۔ میں نے اسی شہر کے ایک استاد سے حصولِ علم کی ابتدا کی تھی جو اب فوت ہو چکے ہیں مگر ان کا لڑکا باہر سڑک پر کھیل رہا ہے جب وہ مسجد کے دروازے کے سامنے

Marfat.com

سے گزرتا ہے تو میں احترام استاد کے پیش نظر کھڑا ہو جاتا ہوں۔

ایک دفعہ آپ کے صاحبزادوں نے عرض کیا۔ ابا جان۔ آپ ہمیں سب سے آخر میں سبق دیتے ہیں۔ اس وقت طبیعت کما حقہ درس کی طرف متوجہ نہیں رہتی۔ لہٰذا آپ ہمیں سب سے پہلے سبق دے کر فارغ کر دیا کریں فرمایا جو طلبہ دور دراز سے تحصیل علم کے لئے آئے ہوئے ہیں ان کا حق تم سے کہیں فائق ہے لہٰذا میں تمہارے وقت کو مقدم نہیں کر سکتا۔

سبحان اللہ! عدل و انصاف کا یہ عالم! ایسے زاہد اور متقی شخص کی کتاب کو اللہ تعالیٰ نے وہ فضیلت بخشی کہ کسی اور مسلک کی فقہی کتاب اس کے درجے تک نہ پہنچ سکی۔

علمائے مذہب میں صاحب ہدایہ کا درجہ:۔

علامہ عبدالحی لکھنوی "فوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ" میں فرماتے ہیں کہ ہمارے حنفی علماء کو چھ درجات میں تقسیم کیا گیا ہے

۱۔ مجتہد فی المذاہب:۔ جو امام کے مقرر کردہ اصولوں سے استخراج احکام پر قدرت کاملہ کے مالک ہوں۔ جیسے امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ وغیرہ۔

۲۔ مجتہد فی المسائل:۔ جن مسائل میں امام سے کوئی روایت مذکور نہ ہو مگر وہ مقرر کردہ اصولوں کے پیش نظر اپنی بصیرت و اجتہاد سے مسائل کے حل پر قادر ہوں۔ لیکن یہ حضرات اصول و فروع میں اپنے امام کی مخالفت نہیں کر سکتے جیسے خصاف، طحاوی۔ کرخی، سرخسی

Marfat.com

سلوانی، بزدوی وغیرہم۔

۳۔ صاحب تخریج:۔ جن حضرات کو اجتہاد پہ قدرت حاصل نہیں مگر وہ مجمل مسائل کی تشریح اور محتمل مسائل کی توضیح کر سکتے ہیں۔

۴۔ صاحبِ ترجیح:۔ جو حُسنِ درایت کی بنا پر بعض روایات کو بعض پہ ترجیح دے سکتے ہیں جیسے قدوری اور صاحب ہدایہ۔

۵۔ مقلد:۔ جو قوی اور ضعیف روایات میں تمیز کرنے پہ قادر ہوں۔

۶۔ وہ لوگ ہیں جو صحیح وغلط اور قوی وضعیف میں بھی تمیز کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔

(ماخذ:۔ دیباچہ ہدایہ مطبوعہ مصر۔ انگریزی ترجمہ چارلس ہملٹن۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام)

Marfat.com

# کتاب النکاح

## ارکانِ نکاح

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ نکاحِ ایجاب وقبول کے ایسے دو لفظوں سے منعقد ہوتا ہے جن سے ماضی کی بات تعبیر کی جاتی ہے۔ ماضی کا صیغہ لغوی طور پر اگرچہ خبر دینے کے لئے استعمال ہوتا ہے مگر شرعی لحاظ سے ضرورت کے مدِ نظر انشاء کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے شرحِ اسلامی میں متناکحین میں سے پہلے کے کلام کو "ایجاب" کہتے ہیں اور ان کے جواب میں دوسرے کے کلام کو "قبول" کہتے ہیں جیسے مرد کا یہ کہنا زَوَّجْتُكِ یا نَکَحْتُكِ میں نے تجھے اپنی زوجیت یا نکاح میں لیا "ایجاب" ہے اور عورت کا قَبِلْتُ کہنا کہ میں نے تجھے قبول کیا "قبول" ہے اسی طرح عورت یا ولی کا زَوَّجْتُكَ نَفْسِیْ یا اَنْکَحْتُكَ اِبْنَتِیْ کہنا یعنی یہ کہنا کہ میں نے اپنے آپ کو تمہاری زوجیت میں دیا یا اپنی بیٹی کو تمہارے نکاح میں دیا "ایجاب" ہے اور مرد کا قَبِلْتُ کہنا قبول ہوگا۔

(اگر نکاح میں مستقبل کے صیغے استعمال کیے جائیں۔ مثلاً مرد کہے کہ میں تجھ سے نکاح کرلوں گا اور عورت جواب دے کہ میں بھی قبول کرلوں

Marfat.com

گی تو ان الفاظ سے عقد میں پختگی پیدا نہیں ہو سکتی بلکہ وعدہ بن کر رہ جاتا ہے اس لئے ماضی کے صیغے اختیار کیے گئے۔ ماضی لغوی لحاظ سے اگرچہ امر واقع کی خبر دینے کے لئے ہوتی ہے مگر شرعی طور پر انشاء (یعنی حال) کے معنی مراد لئے جائیں گے۔

مسئلہ :۔ ان دو لفظوں سے بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے جن میں سے ایک ماضی ہو اور دوسرا مضارع۔ مثلاً مرد کہے زَوِّجْنِی "مجھ سے نکاح کر لے" اور عورت جواب میں کہے زَوَّجْتُکَ "میں نے تجھ سے نکاح کر لیا" (تو ان الفاظ سے نکاح منعقد ہو جائے گا) کیونکہ یہ کلام (یعنی زَوِّجْنِی) توکیل بالنکاح ہے (یعنی دوسرے کو نکاح میں وکیل بنانا ہے اس لئے مرد و عورت میں سے جو بھی دوسرے کو زَوِّجْنِی کہے گا اس نے اس کو وکیل بنا لیا) ہم باب الوکالت میں تفصیل سے ذکر کریں گے کہ ایک ہی شخص نکاح کی طرفین یعنی ایجاب و قبول کا متولی بن سکتا ہے۔

**الفاظِ نکاح** نکاح کا لفظ نکاح، تزویج، ہبہ، تملیک اور صدقہ سے منعقد ہو سکتا ہے لیکن امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ صرف دو لفظوں نکاح اور تزویج ہی سے جائز ہوگا باقی الفاظ سے ان کا انعقاد نہیں ہوگا کیونکہ تملیک نہ تو نکاح میں حقیقت ہے نہ اس سے مجاز ہے (حالانکہ لفظ اس معنی میں مستعمل ہو اس میں یا تو حقیقت ہو یا مجاز) کیونکہ تزویج بمعنی تلفیق (یعنی باہم سینا اور نکاح بمعنی ضم (یعنی جوڑنا ہے (یعنی دو افراد جو الگ الگ ہوں باہم جوڑ دینا اور ملا دینا) مگر مالک و

Marfat.com

مملوک میں ضم و ازدواج والا معنی نہیں ہو سکتا (کیونکہ مالک غالب ہوتا ہے اور مملوک مغلوب) تملیق اور ضم تو دو ہم رتبہ افراد میں ممکن ہے مگر مالک و مملوک مساوی نہیں ہوتے لہذا ثابت ہو گیا کہ تملیک نکاح میں مجازی طور پر بھی مراد نہیں ہو سکتی اور حقیقی طور پر مراد نہ ہونا تو ظاہر ہی ہے)

ہماری دلیل یہ ہے کہ جب مرد کو عورت کی ملکیت حاصل ہو گئی تو وہ اس سے تمتع کا بھی مختار ہے۔ (جیسے کوئی شخص اگر ایک لونڈی خرید لے تو اُسے لونڈی کی ملکیت حاصل ہو گئی اور اسی ملکیت کی وجہ سے اُسے لونڈی سے تمتع کا حق بھی حاصل ہو گیا تو گویا تملیک ہی حق تمتع کا سبب بنی) اور یہی حق تمتع نکاح سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ سبب بننا طریقہ مجاز ہے۔ (یعنی جس طرح ملکیت عورت سے استفادے کا سبب بنتی ہے اسی طرح نکاح کا سبب بھی بن سکتی ہے۔ کیونکہ نکاح کا مقصد بھی عورت سے استفادے کا حق ہوتا ہے تو ہم سبب (تملیک) بول کر مُسبَّب (نکاح) مراد لے سکتے ہیں۔ علمائے معانی کے نزدیک یہ مسلّم ہے کہ سبب بول کر مُسبَّب مراد لیا جا سکتا ہے اور یہاں مجاز کا قرینہ بھی موجود ہے۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ تزویج اور نکاح کے علاوہ دوسرے الفاظ سے بھی انعقادِ نکاح درست ہے۔ کیونکہ تملیک کی طرح ہبہ و صدقہ سے بھی ملکِ نکاح ثابت ہو جاتا ہے۔ اور یہ ملکِ نکاح سے مجاز بن سکتا ہے۔)

مسئلہ:۔ لفظ بَیْعَ (علاعہ) سے بھی نکاح منعقد ہو سکتا ہے۔ (ابوبکر اعمش رح جواز کے قائل نہیں مگر) صحیح بات یہی ہے کہ لفظ بیع سے انعقادِ نکاح

Marfat.com

ممکن ہے۔ کیونکہ مجاز کا قرینہ یہاں بھی موجود ہے (کیونکہ بیع سے جب حقِ ملکیت ہو گیا تو اس سے حقِ تمتع حاصل ہو جائے گا جیسے اُوپر بیان ہو چکا ہے۔ لہٰذا بیع کا حقیقی معنی مراد نہ ہوگا بلکہ مجازاً نکاح مراد ہوگا)

## وہ الفاظ جن سے نکاح منعقد نہیں ہوتا

صحیح قول کے مطابق لفظِ اجارہ سے نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ کیونکہ اجارہ تمتع کے مستقل حق کا سبب نہیں بنتا (حتیٰ کہ اگر لونڈی خدمت کے لئے عاریۃً لی جائے تو اس سے مباشرت روا نہیں) اسی طرح لفظ اباحت، احلال اور اعارہ سے بھی نکاح نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ الفاظ ملکِ منفعہ کا سبب نہیں بن سکتے) لفظ وصیت سے بھی نکاح نہیں ہوتا، کیونکہ وصیت سے ملکیت اس وقت ثابت ہوتی ہے جب وصیت کرنے والا وفات پا جائے۔

## شرائطِ نکاح

مسلمانوں کا نکاح دو آزاد، عاقل، بالغ اور مسلمان گواہوں کے بغیر منعقد نہ ہوگا۔ دونوں گواہ مرد ہوں یا ایک مرد اور دو عورتیں ہوں۔ عادل ہوں یا غیر عادل یا محدود فی القذف ہوں (یعنی جنہیں تہمت لگانے کی بنا پر سزا مل چکی ہو)

شہادت۔ مصنفؒ فرماتے ہیں کہ شہادت بابِ نکاح میں شرط ہے۔ دار قطنی سے مروی ہے "لَا نِكَاحَ اِلَّا بِشُهُوْدٍ"۔ "گواہوں کے بغیر کوئی نکاح منعقد نہیں ہوگا"۔ یہ حدیث امام مالکؒ پر حجت ہے کہ وہ صرف اعلانِ نکاح کو شرط قرار دیتے ہیں۔ شہادت کو نہیں (اگر مرد و عورت اکیلے نکاح کر کے اعلان کر دیں تو امام مالکؒ کے نزدیک جائز ہوگا۔)

Marfat.com

شہادت میں یہ ضروری ہے کہ گواہ آزاد مرد ہوں کیونکہ غلاموں کو گواہی دینے کا حق نہیں، وہ تو حقِ ولایت سے بھی محروم ہوتے ہیں۔ (غلام جب اپنے نفس کا مالک نہیں ہوتا تو ولایتِ شہادت کا اہل کیسے ہوگا۔ امام احمدؒ اور ابن ہمامؒ کی رائے یہ ہے کہ امرِ نکاح میں غلام کی شہادت قبول ہو سکتی ہے۔)

اسی طرح گواہوں کا عاقل و بالغ ہونا بھی لازمی امر ہے۔ کیونکہ ان دو صفات کے بغیر حقِ ولایت حاصل نہیں ہوا کرتا۔

تیسری شرط یہ ہے کہ گواہ مسلمان ہوں کیونکہ کافر کو مسلمان پر ولایت حاصل نہیں۔ (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ "لَنْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا" یعنی اللہ سبحانہٗ نے کافروں کو یہ حق نہیں دیا کہ وہ مومنوں پر راہ پائیں) دوسری شرائط کے علاوہ دونوں گواہوں کا مرد ہونا ضروری نہیں حتیٰ کہ ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت سے نکاح منعقد ہو جائے گا۔ اِس مسئلے میں امام شافعیؒ کا اختلاف منقول ہے۔ بمشیٔ اللہ بابُ الشہادات میں فریقین کے دلائل ذکر کریں گے۔ (امام شافعیؒ کے نزدیک عورت کی شہادت قابلِ قبول نہیں خواہ ساتھ ایک مرد بھی ہو۔ احناف کے نزدیک ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت تو مقبول ہے مگر صرف عورتوں کی نہیں)

شاہدین کا عادل ہونا ضروری نہیں۔ احناف کے نزدیک دو فاسق گواہوں کی شہادت سے نکاح منعقد ہو سکتا ہے۔ مگر امام شافعیؒ کو اختلاف ہے (ان کے نزدیک شاہدین کا عادل ہونا ضروری ہے۔ امام احمدؒ کا بھی یہی قول ہے) فرماتے ہیں کہ شہادت ایک قسم کا اعزاز ہے اور فاسق

کا شمار ذلیل لوگوں میں ہوتا ہے۔ (حدیث ابن حبان میں ہے اَکْرِمُوا الشُّھُوْدَ
اور فاسق کی اہانت بھی ممکن ہے کہ اس کی شہادت کو تسلیم نہ کیا جائے)
امام شافعیؒ کے جواب میں احناف کہتے ہیں کہ فاسق کو حقِ ولایت حاصل
ہوتا ہے (کیونکہ وہ اپنے ذاتی تصرفات میں صاحبِ اختیار ہوتا ہے) تو وہ
اہلِ شہادت بھی ہو سکتا ہے۔ جب اسے مسلمان ہونے کی بنا پر اپنے نفس
کی ولایت سے محروم نہیں کیا جاتا تو دوسرے کا ولی بننے سے بھی اسے
محروم نہ کیا جائے گا کیونکہ وہ دوسرا بھی (مسلمان ہونے کی وجہ سے)
اسی کی جنس سے ہے۔

احناف کی دوسری دلیل یہ ہے کہ جب فاسق دوسرے کو قاضی
مقرر کر سکتا ہے تو وہ خود بھی قاضی بن سکتا ہے (مثلاً اگر خلیفۃ المسلمین
فاسق ہو اور وہ کسی کو عہدۂ قضاۃ پر متعین کرے تو یہ تقرر علماء کے
نزدیک شرعی ہوگا۔ اس کے مدِ نظر وہ خود بھی قاضی بن سکتا ہے کہ جو
حکم دے نافذ ہو جائے) پس وہ گواہ بھی ہو سکتا ہے۔ قضاء و شہادت
ایک ہی جنس سے ہیں کیونکہ دونوں میں دوسروں پر اپنا قول نافذ کرنا ہوتا
ہے۔

محدود فی القذف کو چونکہ حقِ ولایت حاصل ہوتا ہے لہٰذا وہ شہادت
کا اہل بھی ہوگا۔ مگر وہ فقط گواہ بن سکتا ہے۔ عدالت میں گواہی نہیں دے
سکتا۔ نکاح میں اس کا فقط گواہ بننا ہی کافی ہے۔ مصنفؒ فرماتے ہیں
کہ محدود فی القذف اپنے جرم کی وجہ سے ادائے شہادت کے ثمرہ

Marfat.com

سے محروم رہے گا (کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا۔ نکاح میں گواہ شخص اگر عدالت میں گواہی دینے کا اہل نہ ہو تو نکاح میں کچھ حرج واقع نہیں ہوتا۔ جیسے اندھوں کی گواہی اور عاقدین کے بیٹوں کی گواہی (حالانکہ اندھے" یا "بیٹے" کی گواہی باپ کے حق میں قبول نہیں ہوتی مگر نکاح میں تسلیم کر لی جاتی ہے تو اسی طرح محدود فی القذف کی شہادت بھی قابلِ قبول ہوگی)

(مذکورہ شرائط ان گواہوں کی تھیں جو مسلمان مرد و عورت کے نکاح میں شاہد ہوں۔ اب صاحب ہدایہ دوسری صورتوں کا ذکر فرماتے ہیں)

اگر مسلمان مرد ذمیہ (کتابیہ) کے ساتھ دو ذمیوں کی شہادت سے نکاح کرے تو امام اعظمؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے مگر امام محمدؒ اور امام زفرؒ جواز کے قائل نہیں۔ کیونکہ نکاح میں (ایجاب و قبول) سننا ہی شہادت ہے اور مسلمان پر کافر کی شہادت قابلِ اعتماد نہیں تو گویا دو ذمیوں نے مسلمان کا کلام سنا ہی نہیں۔

شیخین کی دلیل یہ ہے کہ نکاح میں شہادت فقط ملک کو ثابت کرنے کے لئے شرط ہوتی ہے کیونکہ جس شے کی ملکیت ثابت کی جا رہی ہے وہ بے حد قابلِ احترام ہے۔ ورنہ مہر کے واجب ہونے کے لئے شہادت کی چنداں ضرورت نہیں کیونکہ لزومِ مال کے لئے کوئی شہادت لازمی نہیں ہوتی تو دونوں ذمی صرف ذمیہ پر شاہد ہیں (خلاصۂ دلیل یہ ہے کہ مذکورہ مسئلہ میں دو چیزیں ہیں۔ (۱) ملک بضع (۲) وجوبِ مہر۔ ذمی صرف پہلی

Marfat.com

چیز کے شاہد ہیں کہ ذمیہ نے قابلِ احترام عمل جائز طریقے سے مسلمان کی ملکیت
میں دے دیا تو ذمی مسلمان پر گواہ نہیں بلکہ ذمیہ پر ہیں۔ اور یہ جائز ہے۔
وہ لزوم مہر پر گواہ نہیں ہیں کہ نقص پیدا ہو جائے۔ کیونکہ زنا مہر کے لئے
شہادت ہرگز شرط نہیں۔ حتیٰ کہ بلا ذکرِ مہر بھی نکاح جائز ہو سکتا ہے۔
بخلاف اس صورت کے جب انہوں نے مرد کا کلام ہی نہ سنا ہو (تو عقد
ہی نہیں ہوگا کیونکہ عقد تو مرد و عورت کے کلام (یعنی ایجاب و قبول)
سے منعقد ہوتا ہے اور شہادت انعقاد کے لئے شرط ہے (یہ امام محمدؒ اور
امام زفرؒ کی دلیل کا جواب ہے کہ عقد کی حقیقت تو مرد اور عورت کا کلام
یعنی ایجاب و قبول ہے۔ جب گواہ نے مرد و عورت کا کلام ہی نہ سنا
تو عقد کہاں رہا کیونکہ شہادت تو اسی عقد کے لئے شرط تھی)۔
مسئلہ۔ اگر کسی شخص نے دوسرے آدمی سے کہا کہ میری (نابالغہ)
لڑکی کا نکاح کر دو اور اس شخص نے نکاح کر دیا خمس نکاح یہ ہے کہ
اور وکیل کے علاوہ ایک اور شخص بھی موجود تھا تو یہ نکاح جائز ہو جائے
گا کیونکہ اتحادِ مجلس کا اعتبار نہیں کیا جاتا بلکہ مباشر (یعنی عقد کرنے والا فریقین
کے گواہ اور وکیل محتوی للحکم سفیر یا معبر (یعنی نامہ و پیام لانے لے جانے والا) شمار
ہوگا۔ لہٰذا دو دوسرے گواہ کے ساتھ) یہ بھی گواہ بن جائے گا (مثلاً زید
نے عمر سے کہا کہ تم میری صغیرہ لڑکی کا نکاح کر دو۔ ایک تیسرا شخص بکر بھی
وہاں موجود تھا تو یہ نکاح درست ہے کیونکہ باپ (زید) عقد کرنے
والا ہے۔ عمر تو محض سفیر ہے۔ لہٰذا عمر اور بکر دو گواہ ہو گئے اور نکاح

Marfat.com

جائز ہوگیا)۔

(مذکورہ صورت میں) اگر باپ موجود نہ ہو تو نکاح جائز نہ ہوگا کیونکہ مجلس مختلف ہوگئی اور اب باپ کو مباشر قرار دینا ممکن نہیں (کیونکہ اب وکیل ہی مباشر ہوگا اور گواہ صرف ایک رہ گیا۔ لہٰذا نکاح جائز نہ ہوا)۔

اسی مذکورہ اصول کی بنا پر اگر باپ نے اپنی بالغہ بیٹی کا نکاح ایک گواہ کی موجودگی میں کر دیا تو جائز ہوگا بشرطیکہ لڑکی اس مجلس میں موجود ہو۔ اگر لڑکی موجود نہ ہو تو نکاح جائز نہ ہوگا۔ (کیونکہ لڑکی کی موجودگی کی صورت میں وہ خود عاقد و مباشر بن جائے گی اور باپ کی حیثیت گواہ کی ہوگی۔ لڑکی کی عدم موجودگی کی صورت میں باپ مباشر بنتا ہے اور گواہ ایک ہی رہ جاتا ہے لہٰذا نکاح منعقد نہیں ہوتا۔

# فصل فی بیان المحرمات

(کن عورتوں سے نکاح حرام ہے)

مسئلہ:۔ کوئی مسلمان مرد نہ تو اپنی ماں سے نکاح کر سکتا ہے اور نہ دلویوں سے خواہ وہ باپ کی طرف سے ہوں یا ماں کی طرف سے (باپ کی طرف سے جیسے باپ کی ماں دادا کی ماں۔ پردادا کی ماں علیٰ ہذا القیاس اور ماں کی طرف سے ماں کی ماں نانی کی ماں علیٰ ہذا الترتیب) کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے

Marfat.com

ہیں۔ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ الآیۃ اور دادیاں بھی ماؤں کی سی حیثیت رکھتی ہیں۔ کیونکہ اُمّ کے لغوی معنی اصل اور جڑ کے ہیں (اور دادیاں بھی انسان کے لئے بمنزلہ جڑ کے ہوتی ہیں۔ لہٰذا ان کی حُرمت ثابت بالنص ہے) حُرمتِ جدّات کی دوسری دلیل اجماعِ اُمّت ہے۔

مسئلہ:۔ اپنی بیٹی سے نکاح کرنا بھی حرام ہے۔ اس کی دلیل بھی قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیت ہے۔ اسی طرح اپنی پوتی سے بھی نکاح جائز نہ ہوگا۔ خواہ کتنی پشتوں تک چلتی جائیں کیونکہ ان کی حُرمت بھی اجماع سے ثابت ہے (یعنی پوتی اس کی لڑکی آگے اس کی لڑکی وعلیٰ ہذا القیاس یہ سب فروع حُرمت میں داخل ہیں)۔

مسئلہ:۔ کسی مسلمان مرد کا اپنی بہن، بھانجی اور بھتیجی کے ساتھ بھی نکاح حرام ہے۔ اسی طرح پھوپھی اور خالہ سے بھی کیونکہ اُن کی حرمت پر آیتِ مذکورہ نص ہے۔ اس حُرمت میں متفرق پھوپھیاں، خالائیں اور متفرق بھائیوں کی بیٹیاں داخل ہیں۔ کیونکہ اسم کا اطلاق عُموم پر ہوتا ہے (یعنی اسمِ سمات و خالات وغیرہ) (متفرق پھوپھی سے مراد یہ ہے۔ حقیقی پھوپھی ہو یعنی باپ کی سگی بہن۔ یا باپ کی علّاتی یعنی پدری بہن باپ کی اخیافی یعنی مادری بہن۔ اسی طرح خالہ کی بھی تین صورتیں ہیں۔ ماں کی حقیقی بہن یا علّاتی یا اخیافی وعلیٰ ہذا القیاس متفرق بھائیوں سے مراد یہ ہے کہ حقیقی بھائی ہوں یا علّاتی یا اخیافی ان سب کی بیٹیوں سے نکاح جائز نہیں۔

Marfat.com

مسئلہ: کسی مسلمان کا اپنی بیوی کی ماں یعنی ساس سے بھی نکاح جائز نہیں۔ خواہ بیوی سے دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ کیونکہ قرآن کریم کی آیت میں "اُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ" عام ہے اور دخول کی شرط مذکور نہیں ہوئی (اگر بیوی کو بغیر دخول طلاق بھی دے دے تو بھی ساس سے نکاح جائز نہ ہوگا)

اور نہ ہی اپنی بیوی جس سے دخول کر چکا ہو کی بیٹیوں سے نکاح ہو سکے گا۔ کیونکہ (اس صورت میں) دخول نص سے ثابت ہے۔ خواہ وہ بیٹی خاوند کی گود میں پرورش پا رہی ہو یا کسی دوسرے کی گود میں کیونکہ آیت میں حجر یا گود کا ذکر معمول کے مطابق کیا گیا ہے بطور شرط نہیں۔

اور اگر اس نے دخول نہیں کیا تو یہی جواز نکاح کے لئے کافی ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے "وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ" یعنی جن عورتوں سے تم دخول کر چکے ہو ان کی ربیبہ بیٹیوں سے نکاح درست نہیں۔ اس آیت میں فِیْ حُجُوْرِكُمْ کی قید بعض عادۃً ذکر کی گئی ہے۔ بطورِ شرط نہیں کہ اگر تمہاری تربیت میں ہوں تو ان سے نکاح جائز نہیں ورنہ جائز ہے۔ کیونکہ اسی آیت کا دوسرا حصہ یہ ہے۔ "فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ" اس میں صرف دخول کی صورت کا ذکر ہے مگر حجر کا کوئی تذکرہ نہیں اگر فی حجر شرط ہوتا تو ضرور ساتھ ذکر کیا جاتا۔ کیونکہ مشروط شرط کے بغیر کبھی مکمل ہو سکتا ہے۔ حضرت علی رضؓ اور ابن مسعود رضؓ حجر کی شرطیت کے قائل ہیں مگر احناف کی دلیل ان پر حجت ہے۔

Marfat.com

مسئلہ :۔ کسی مسلمان کا باپ اور اجداد یعنی دادا نانا کی بیویوں سے نکاح جائز نہیں۔ بمطابق ارشادِ خداوندی "وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ"۔ (باپ میں دادا وغیرہ شامل ہے لہٰذا آباء بطریق المجاز اجداد کو بھی شامل ہے) اسی طرح اپنے بیٹے کی بیوی اور اس کی اولاد کی بیویوں سے بھی نکاح ممنوع ہے۔ بقولہ تعالیٰ "وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ"۔ اصلاب یعنی پشت اور نسل کی قید محض اس لئے ہے کہ متبنیٰ اس صورت میں بیٹا شمار نہ ہوگا۔ اس لئے نہیں کہ رضاعی بیٹے کی بیوی کی حرمت نص سے ثابت نہ کی جائے (قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ ان بیٹوں کی بیویوں سے نکاح جائز نہیں جو تمہاری پشت سے ہوں۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اصلاب کی قید متبنیٰ کا اعتبار ساقط کرنے کے لئے ہے یعنی اصلاب کی قید کے بعد دو قسم کے بیٹے رہ گئے۔ رضاعی اور متبنیٰ۔ مگر حدیث میں ہے کہ رضاعت بمنزلہ رشتہ کے ہے تو رضاعی بیٹے کی حرمت حدیث سے ثابت ہوئی باقی رہا متبنیٰ تو اصلاب کی قید سے اس کی بیوی سے نکاح کا جواز ثابت ہو گیا کیونکہ یہ ایک استثنائی صورت ہو گئی)۔

مسئلہ :۔ کسی مسلمان کا اپنی رضاعی ماں اور رضاعی بہن سے بھی نکاح جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ" حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ "یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب" جو رشتے نسب کی وجہ سے حرام ہیں وہ رضاعت کی وجہ سے بھی حرام ہوں گے۔

Marfat.com

مسئلہ :۔ کسی مسلم مرد کے لئے دو بہنوں کو نکاح میں اور دو باندیوں کو (جو حقیقی بہنیں ہوں) مباشرت میں جمع کرنا جائز نہ ہوگا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ "وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ"۔ نیز حدیث نبوی میں ہے۔ "من کان یؤمن باللہ والیوم الاخر فلا یجمعن ماءہ فی رحم اختین"۔ یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنا پانی دو بہنوں کے رحم میں جمع نہ کرے (دو بہنوں کو نکاح میں لانا جائز نہیں۔ اگر اکٹھا عقد کیا گیا تو عقد باطل ہوگا اور اگر آگے پیچھے کیا گیا تو پہلی کا جائز اور دوسری کا باطل ہوگا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ دو بہنیں، لونڈیاں ہوں تو دونوں ایک شخص کی ملک میں تو آسکتی ہیں یعنی ایک شخص کی لونڈیاں بن سکتی ہیں مگر دونوں سے وطی جائز نہیں صرف ایک سے کر سکتا ہے)

مسئلہ :۔ اگر موطوءہ باندی کی بہن سے نکاح کیا جائے تو درست ہے کیونکہ نکاح کا صدور ایسے عاقد سے ہوا ہے جو اہلیتِ نکاح رکھتا ہے اور یہ عقد محلِ نکاح کی طرف منسوب ہے کیونکہ وہ باندی جو غیر کی مملوکہ ہے محلِ نکاح ہے اور باندی کی بہن جو ناکح کی مملوکہ ہے مانع نکاح نہیں ہاں اگر مملوکہ سے نکاح کیا ہوتا تو پھر دوسری سے جائز نہ تھا) لیکن نکاح کرنے کے بعد مملوکہ سے وطی جائز نہ ہوگی۔ اگرچہ منکوحہ سے وطی نہ بھی کی ہو کیونکہ منکوحہ (بوجہ نکاح) موطوءہ متصور ہوتی ہے (لہٰذا اسے نکاح میں دینے کے بعد مالک وطی نہیں کر سکتا جب تک موطوءہ باندی کو کسی وجہ

Marfat.com

سے اپنے اوپر حرام نہ کرے گا۔ مثلاً اسے فروخت کر دے۔ ہبہ کر دے یا عتق
منکوحہ سے مباشرت جائز نہ ہو گی۔ ورنہ جمع بین الاختین لازم آئے گی
لیکن موطوءہ کو اپنے اوپر حرام کر لینے سے جمع بطور وطی لازم نہیں آتی۔
اگر مملوکہ سے وطی نہ کی ہو تو (اسے اپنے اوپر حرام کئے بغیر) منکوحہ
سے وطی کر سکتا ہے کیونکہ اس صورت میں بر فرض وطی جمع لازم نہیں
آتی کیونکہ مملوکہ باندی حکماً موطوءہ نہیں ہے (کیونکہ ملک یمین صرف اسی
غرض کے لئے نہیں ہوتا بخلاف نکاح کے کہ وہ محض وطی ہی کے لئے
موضوع ہے)

**مسئلہ**:۔ اگر کسی نے دو بہنوں کے ساتھ دو مختلف عقدوں سے نکاح
کیا مگر اسے یہ معلوم نہیں کہ پہلے کس کے ساتھ ہوا تھا۔ تو مرد اور ان کے
درمیان تفریق کرا دی جائے گی۔ کیونکہ ان میں سے ایک کا نکاح تو یقیناً باطل
ہے اور اولیت کا علم نہ ہونے کی بنا پر تعیین ممکن نہیں ہے اور نہ ہی جہالت
کے ہوتے ہوئے نکاح کے نفاذ کی کوئی صورت ہو سکتی ہے کیونکہ اس سے
کوئی فائدہ حاصل نہ ہو گا (یعنی اگر ہم کہیں کہ ایک کا نکاح لا علی التعیین نافذ
ہے تو اس سے کیا فائدہ کیونکہ مرد تعلقات نکاح قائم نہیں کر سکتا) یا اس
وجہ سے کہ ضرر رہے گا اس لئے کہ دونوں کو صرف ایک عورت کا نفقہ ملے گا اور
دونوں خواہ مخواہ قید میں مبتلا رہیں گی۔ نہ تو کسی دوسرے سے نکاح کر
سکتی ہیں اور نہ یہ مرد وطی کر سکتا ہے لہٰذا مرد اور عورت دونوں کے لئے
ضرر ہے) پس (ان حالات میں) تفریق ضروری ہے اور ان دونوں کو

نصف مہر ملے گا (یعنی جب کہ مہر مقرر ہو۔ اگر مہر مسمّٰی نہ ہو تو پھر دونوں کو ایک متعہ ملے گا) دراصل نصف مہر تو پہلی منکوحہ کے لئے تھا مگر اولیت کا کچھ پتہ نہیں۔ لہٰذا نصف مہر دونوں میں تقسیم ہوگا۔ بعض فقہاء کا قول ہے کہ انہیں نصف مہر اسی صورت میں ملے گا جب ان میں سے ہر ایک دعویٰ کرے کہ میرا نکاح پہلے ہوا تھا۔ یا دونوں صلح کر لیں کہ ہمیں نصف مہر دے دیا جائے ہم خود تقسیم کر لیں گی کیونکہ اصلی حقدار کا علم نہیں۔ اگر دونوں نہ تو دعویٰ کریں اور نہ صلح کریں تو انہیں کچھ نہیں ملے گا۔ کیونکہ من اشکل الحق مجہول ہے اور یہ قانون ہے کہ سبب من لہ الحق مجہول ہو تو کچھ واجب نہیں ہوتا۔ کما مرّ فی باب الحجج عن الغیر۔

مسئلہ: کسی مرد مسلم کے لئے ایک عورت اور اس کی پھوپھی یا خالہ یا بھتیجی یا بھانجی کو نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ لا تُنکَحُ المرأۃ علی عمّتھا ولا علی خالتھا ولا علی ابنۃ اُختھا (مسلم و ابوداؤد) یہ حدیث درجۂ مشہور میں ہے لہٰذا قانون کی روح کو ملحوظ رکھتے ہوئے متن قرآنی کے ساتھ اس حدیث پر قید جائز ہوگی۔ (یعنی اصل حکم اور اذن حکم کے ساتھ اس حدیث کی قید لگائی جائے گی۔

مسئلہ: کسی مسلمان مرد کے لیے ایسی دو عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں کہ اگر ان سے کسی ایک کو مرد فرض کیا جائے تو دوسری سے اس کا نکاح جائز نہ ہو کیونکہ ان میں جمع کرنا قطعیت رحم کا باعث ہوتا ہے (دو پہلے

Marfat.com

تو رشتہ دار تھیں اور باہمی الفت تھی مگر ایک مرد کے نکاح میں آنے سے سوتیں ہوں گی اور باہمی رقابت سے دشمنی پیدا ہو گی) اور جو قرابت باہمی نکاح کو حرام قرار دیتی ہے وہ قطع رحم کو بھی حرام کرتی ہے (مثلاً اپنی بہن کے ساتھ نکاح کرنے سے بہن مملوکہ بن جاتی ہے اور قطع رحمی لازم آتی ہے اس لئے ایسے رشتہ داروں کو محرمات میں شامل کیا گیا۔ اسی طرح جن دو عورتوں کے جمع سے قطع رحم لازم آئے ان کا جمع کرنا بھی حرام ہے) اور جو قرابت نکاح کو حرام ٹھیراتی ہے وہ قطع رحمی کا باعث بھی ہوتی ہے اور اگر یہ حرمت رضاعت کی وجہ سے بھی ہو تو بھی نکاح جائز نہ ہوگا جیسا کہ پہلے مذکور ہو چکا ہے کہ یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب۔

مسئلہ: ایک عورت اور اس کے سابقہ شوہر کی بیٹی کو نکاح میں جمع کرنے سے کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ نہ تو ان کے درمیان قرابت ہے (کہ قطع رحمی لازم آئے) اور نہ رضاعت (کی حرمت) کا تعلق ہے (مثلاً ہندہ زید کے نکاح میں ہے۔ زید کی دوسری بیوی فاطمہ سے سکینہ نامی لڑکی ہے۔ زید نے ہندہ کو طلاق دے دی تو اب زید ہندہ اور سکینہ کو جمع کر سکتا ہے۔ دار قطنی کی ایک روایت میں ہے کہ عبداللہ بن جعفر نے حضرت علی رضہ کی ایک زوجہ اور ایک دختر سے نکاح کیا۔ نیز اس مسئلے میں چاروں امام اتفاق رکھتے ہیں۔

امام زفر فرماتے ہیں کہ مذکورہ صورت میں جمع جائز نہیں کیونکہ سکینہ کو اگر مذکر فرض کیا جائے تو اس کا ہندہ سے نکاح جائز نہیں ہے سکتا اس لئے کہ

Marfat.com

وُہ اس کے باپ کی بیوی ہے۔

ہم امام زفرؒ کے جواب میں کہتے ہیں کہ (سکینہ کے) باپ کی عورت (ہندہ کو اگر مرد تصوّر کیا جائے تو سکینہ سے نکاح جائز ہے (کیونکہ وہ ایک اجنبی مرد کی لڑکی ہوگی) اور حُرمت تب ثابت ہوتی ہے کہ عدمِ جواز دونوں طرفوں سے ہو (یعنی دونوں عورتوں سے جس کو بھی مرد تصوّر کریں تو ان کا نکاح دائمی ممنوع ہو۔ مگر یہاں حرمت صرف ایک جانب سے ثابت ہوتی ہے لہٰذا مذکورہ صورت اس قانون سے مُستثنیٰ ہے)

**مسئلہ**:۔ اگر کسی مرد نے کسی عورت سے زنا کیا تو اس عورت کی ماں اور اس کی لڑکی زانی پر حرام ہوں گی۔ (ماں کا اِطلاق اوپر کے اُصول دادی، نانی وغیرہ پر اور لڑکی کا اِطلاق نیچے کے فروع پر بھی ہوگا۔ اس مسئلے میں اکثر ائمہ کا اتفاق ہے حضرت عمرؓ، ابن مسعودؓ، امام مالکؒ، امام احمدؒ وغیرہم اسی کے قائل تھے)

امام شافعیؒ کا قول ہے کہ زنا سے حُرمتِ مُصاہرت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ حُرمتِ مصاہرت ایک نعمت ہے اور نعمت حرام و ممنوع شے سے زائل نہیں ہوا کرتی۔ مُصاہرت سے مراد وہ نسبت اور تعلق ہے جو خاوند کو عورت کی وجہ سے حاصل ہو۔ مُصاہرت کو نعمت اس لئے ہے کہ اکثر اوقات لڑکے اور لڑکی والے اجنبی اور پرائے ہوتے ہیں مگر آپس میں رشتۂ ازدواجی استوار کرنے سے دو برادریوں کا اتحاد و اتفاق ہو جاتا ہے لہٰذا ایک ایسی عظیم نعمت کو ایک امرِ ممنوع سے زائل کرنا مناسب نہیں۔

24784.

Marfat.com

ہم امام شافعیؒ کے جواب میں کہتے ہیں کہ وطی بچے کے واسطے سے خاوند اور بیوی میں جزئیت کا سبب ہوتی ہے حتّٰی کہ بچہ مرد و عورت دونوں میں سے ہر ایک کی طرف کامل طور پر منسوب کیا جاتا ہے پس عورت کے اصول و فروع مرد کے اصول و فروع کی طرح ہو جائیں گے۔ اسی طرح علی العکس بھی (یعنی واطی اور موطوءہ بمنزلہ ایک شخص ہو جاتے ہیں حتّٰی کہ اگر بچہ پیدا ہو تو وہ کامل طور پر ہر ایک کی طرف منسوب ہو سکتا ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں مثلاً یہ زید کا بیٹا ہے۔ اسی طرح یہ "ہندہ کا بیٹا ہے" بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس اتحاد کی وجہ سے عورت کے اصول و فروع مرد کے اصول و فروع کی طرح ہو گئے وکذا علی العکس یعنی زید کے ماں باپ اور اولاد ہندہ کے ماں باپ اور اولاد ہوں گے تو ایک کے اصول و فروع دوسرے پر حرام ہوں گے۔ ثابت ہوا کہ حکم مصاہرت کا اصل سبب ولد ہے اگر زنا کو قائم مقام ولد کر دیں (کیونکہ زنا بھی ایک قسم کی وطی ہے جو سببِ ولد ہے) تو اس سے بھی حرمت مصاہرت متحقق ہو جائے گی)

(اعتراض کیا گیا کہ مذکورہ اصول کے مطابق اگر مثلاً ا نے ب سے زنا کیا۔ تو ب، ا کی جزء بن گئی اور اپنی جزء سے تمتع کرنا حرام ہے اور بچہ کی پیدائش کے بعد آپ اس نکاح کو کیوں برقرار رکھتے ہیں۔ صاحبِ ہدایہ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ جزء سے تمتع (مباشرت) کرنا حرام ہے۔ سوائے ناگزیر صورتِ حال کے اور وہ فقط بیوی ہے (کیونکہ اگر ضرورت کو مدِ نظر نہ رکھیں اور جب کسی عورت کا بچہ ہو تو نکاح کے اختتام کا

حکم دے دیں کہ اب خاوند کسی اور بیوی کی تلاش کرے تو اس طرح دنیوی نظام ہی برقرار نہیں رہ سکتا) (غیر منکوحہ سے) وطی محض اس لیے حرام ہے کہ وہ بچے کی پیدائش کا سبب بنتی ہے۔ اس لیے نہیں کہ وہ زنا ہے (تو حرمتِ مصاہرت کی نعمت زلال سے زائل نہ ہوتی جیسے کہ امام شافعیؒ کا خیال ہے بلکہ زوال کا سبب ولد ہے اور یہ ممنوع نہیں کیونکہ زنا سے پیدا ہونے والے بچے کا قصور نہیں ہے۔ قصور تو مرد و عورت کا ہے۔

مسئلہ: اگر کسی مرد کو کسی عورت نے شہوت کے ساتھ مس کیا تو اس مرد پر عورت کی ماں اور بیٹی حرام ہو گئی۔ (صرف مس بالشہوت سے احناف کے نزدیک حرمتِ مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے) امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حرمتِ مصاہرت ثابت نہ ہو گی (کیونکہ ان کے نزدیک جب زنا سے ثابت نہیں ہوتی تو مسِ شہوت سے بدرجہ اولیٰ ثابت نہ ہو گی) اسی طرح ہمارا اور امام شافعیؒ کا ان مسائل میں بھی اختلاف ہے کہ مرد عورت کو شہوت سے مس کرے یا عورت کے پوشیدہ جسم کو دیکھے یا عورت مرد کے عضو پر نظر کرے (بنظرِ شہوت)

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مس و نظر دخول و وطی کے ہم معنی نہیں ہیں اس لیے مس و نظر سے نہ تو روزہ فاسد ہوتا ہے نہ احرام، اور نہ ہی غسل واجب ہوتا ہے۔ لہٰذا انہیں دخول کے ساتھ ملحق کرتے ہوئے ایک سا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔

احناف کہتے ہیں کہ مس و نظر ایسے اسباب ہیں جو وطی کی طرف میلان

Marfat.com

پیدا کرتے ہیں اس لئے احتیاط کے پیشِ نظر انہیں وطی کے قائم مقام بنا دیا جائے گا (اور جس طرح وطی سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہوتی ہے اس کے دواعی سے بھی ہو گی) نیز شہوت سے مس کرنا یہ ہے کہ مرد کے اعضو میں انتشار پیدا ہو جائے یا (اگر پہلے ہی کچھ انتشار ہو تو) اس میں اضافہ ہو جائے۔ روایات صحیحہ میں یہی تعریف معتبر ہے اور نظر الی الفرج میں فرج سے مراد شرمگاہ کا اندرونی حصہ ہے اور یہ صرف اسی وقت ممکن ہے جب عورت تکیہ لگائے بیٹھی ہو۔

اگر مس کرنے سے انزال ہو جائے تو بعض فقہاء کے نزدیک حرمت مصاہرت ثابت ہو گی مگر صحیح یہ ہے کہ انزال سے حرمت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ انزال ہونے سے ثابت ہو گیا کہ مس و نظر وطی تک پہنچانے والے نہیں تھے۔ یہی حکم اس شخص کا ہے جو عورت سے وضع فرج کے خلاف فعل کرے (اگر انزال ہو گیا تو حرمتِ مصاہرت ثابت نہ ہو گی اگر انزال نہ ہوا تو ثابت ہو جائے گی)

مسئلہ: جب ایک شخص نے اپنی عورت کو طلاق بائن یا رجعی دے دی تو عدت گزرنے سے پہلے وہ اس عورت کی بہن سے نکاح نہیں کر سکتا۔ (کیونکہ جب تک عدت باقی ہے۔ نکاح کا اثر کلیتہً منقطع نہیں ہوتا)

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر طلاق بائن یا تین طلاقوں کی عدت ہو۔ تو پھر مطلقہ کی بہن سے نکاح جائز ہے کیونکہ ان صورتوں میں نکاح کلیتہً منقطع ہو جاتا ہے اور قاطع نکاح یعنی طلاق کا اثر و عمل نافذ ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

(یعنی طلاقِ بائنہ یا ثلاثہ قاطع نکاح نہیں تو کیوں نہ اس کے اثر کو تسلیم کیا جائے (اسی مذکورہ انقطاع کی وجہ سے) اگر مردِ حرمت کا علم رکھتے ہوئے مطلقہ سے وطی کرے گا تو زنا کی سزا کا مستوجب ہوگا۔

ہم کہتے ہیں کہ پہلا نکاح قائم ہے کیونکہ اس کے احکام ابھی موجود ہیں مثلاً معتدہ کا نفقہ مرد کے ذمے ہے۔ خاوند اسے گھر سے باہر جانے سے روک سکتا ہے اور اگر دو سال کے اندر بچہ پیدا ہو تو اسی مرد کی طرف منسوب ہوگا (اگر بقول شافعیؒ انقطاعِ کلی ہو جاتا۔ تو یہ احکام کیوں باقی رہتے) البتہ طلاق نے نکاح کے عمل کو معطل ضرور کر دیا مگر بعض احکام مثلاً منع عن الخروج وغیرہ باقی ہیں (ہم دیکھتے ہیں کہ اگر کسی ملازم کو معطل کر دیا جائے تو شعبے سے اس کا عملی تعلق ختم ہو جاتا ہے لیکن دوسرے معاملات باقی رہتے ہیں) کتاب الطلاق کے احکام کے مطابق (مطلقہ معتدہ کی وطی سے) حد واجب نہ ہوگی۔ البتہ کتاب الحدود کے احکام کے مطابق حد اس لئے واجب ہوگی کہ حلیتِ نکاح کی ملکیت (بوجہ طلاق) زائل ہو چکی ہے۔ اس لئے (وطی سے) زنا ثابت ہوگا مگر جن امور کا اہم نے تذکرہ کیا ہے (یعنی نفقہ۔ منع خروج اور فراش وغیرہ) ان کے حق میں نکاح زائل نہیں ہوگا (یعنی ان امور کے حق میں نکاح باقی رہے گا) لہٰذا (اگر عدت میں دوسری بہن سے نکاح کر لیا تو) جامع بین الاختین ہو جائے گا (صاحب ہدایہ کی دلیل کے علاوہ یہ بھی کہا سکتا ہے چونکہ نکاح من وجہ باقی ہے اس لئے حد واجب ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

Marfat.com

کیونکہ حدود شبہ سے ساقط ہو جاتی ہیں)

**مسئلہ**:۔ کسی مسلم آقا کو اپنی لونڈی سے اور کسی مسلمہ (حرّہ) کو اپنے غلام سے نکاح کرنا جائز نہیں (ہاں لونڈی یا غلام کو آزاد کرنے کے بعد نکاح جائز ہے) کیونکہ نکاح کے مشروع ہونے کا سبب یہ ہے کہ نکاح کے فوائد و ثمرات دونوں نکاح کرنے والوں کے درمیان مشترک ہوں (یعنی عقدِ نکاح سے دو اجنبی مرد عورت مل جُل کر ایک دُوسرے سے اپنے فوائد اور حقوق حاصل کرتے ہیں۔ دونوں کے حقوق مساوی ہوتے ہیں۔ مگر یہ بات مالک و مملوک میں کہاں کیونکہ، مملوکیت مالکیت کے منافی ہے (یعنی مالک کو تو سارے اختیارات حاصل ہوں گے مگر مملوک کا کوئی اختیار نہ ہوگا) اس لئے ثمرات و فوائد کا مشترکہ طور پر حاصل ہونا ممکن نہیں۔

**مسئلہ**:۔ مُسلم مرد کا کتابیہ عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے۔ بمطابق ارشادِ باری تعالیٰ۔ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ۔ یعنی اہلِ کتاب کی پاک دامن عورتوں سے نکاح روا ہے۔ محصنات سے پاک دامن عورتیں مراد ہیں یعنی جو بدکاری وغیرہ سے محفوظ ہوں۔ کتابیہ عورت آزاد ہو یا باندی کوئی فرق نہ ہوگا۔ انشاء اللہ عنقریب ہم اس مسئلے کو تفصیل سے ذکر کریں گے۔

**مسئلہ**:۔ مسلمان آدمی کا مجوسی عورتوں کے ساتھ نکاح جائز نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مجوسیوں کے ساتھ اہلِ کتاب

Marfat.com

کا سا برتاؤ ضرور رکھو۔ لیکن نہ تو ان کی عورتوں سے نکاح کرو اور نہ ہی ان کے ہاتھ کا ذبیحہ کھاؤ (جزیہ وغیرہ مقرر کرنے میں مجوس کے ساتھ اہلِ کتاب کا سا سلوک کیا جائے گا۔ مگر اہلِ کتاب دو باتوں میں مجوسیوں کے احکام سے مستثنیٰ ہیں۔ کیونکہ اہلِ کتاب کی عورتوں سے نکاح جائز ہے اور ان کا ذبیحہ کھانا روا ہے)

اسی طرح مسلم مرد کے لیے بت پرستوں کی عورتوں سے بھی نکاح کرنا ممنوع ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ۔ یعنی مشرک عورتوں کے ساتھ اس وقت تک نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔ البتہ صابی عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے۔ اگر وہ کسی مذہب پر ایمان رکھتے ہوں اور کسی آسمانی کتاب کو بھی تسلیم کرتے ہوں۔ کیونکہ وہ اہلِ کتاب سے شمار ہوں گے۔ اگر وہ ستاروں کی پرستش کرتے ہوں اور کسی کتاب پر ایمان بھی نہ رکھتے ہوں تو اس وقت ان سے مناکحت جائز نہیں کیونکہ (اس صورت میں) وہ مشرکین (کے حکم میں) داخل ہیں۔ اس مسئلے میں امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف بھی منقول ہے (امام اعظمؒ جواز نکاح کے قائل ہیں اور صاحبینؒ عدم جواز کے) کیونکہ صابیوں کے مذہب ہی میں اشتباہ ہے۔ امام اعظمؒ کے نزدیک وہ اہل کتاب ہیں لہٰذا ان سے مناکحت جائز ہے اور صاحبین اپنی تحقیق کے مطابق انہیں مشرک قرار دیتے ہیں۔ لہٰذا عدم جواز کے قائل ہیں۔ نکاح کی طرح ان کے ذبیحہ میں بھی اختلاف ہے امام اعظمؒ حلت کے قائل

ہیں اور حاجین حرمت کے (یعنی ہر ایک نے اپنے اپنے دلائل پر جانچا ہے)
مسئلہ :۔ محرم اور غیر محرم حالتِ احرام میں نکاح کر سکتے ہیں (البتہ حالتِ
احرام میں مباشرت جائز نہیں) امام شافعیؒ عدم جواز کے قائل ہیں۔ اگر محرم
ولی (حالتِ احرام میں) اپنی ولیہ کا نکاح کر دے (خواہ ولیہ وہاں موجود
نہ ہو) تو احناف کے نزدیک جائز ہے۔ امام شافعیؒ اپنی تائید میں حدیث
پیش کرتے ہیں کہ۔ لَا یَنْکِحُ الْمُحْرِمُ وَلَا یُنْکَحُ "یعنی محرم نہ تو نکاح
کر کے دے اور نہ ہی خود نکاح کرے۔

امام شافعیؒ کے جواب میں ہمارے پاس بھی صحاحِ ستہ کی روایت
موجود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالتِ احرام حضرت میمونہؓ سے
نکاح کیا۔ امام شافعیؒ کی پیش کردہ حدیث میں وطی کی ممانعت مذکور ہوئی
ہے (نیز امام شافعیؒ کی پیش کردہ روایت امام بخاریؒ اور دوسرے ائمہ حدیث
کے نزدیک ضعیف ہے کیونکہ سندِ حدیث میں ایک راوی مطرح ہیں۔ جن
کی روایت ائمہ حدیث کے نزدیک قابلِ حجت نہیں)

مسئلہ :۔ مسلمان مرد کا مسلمہ یا کتابیہ لونڈی سے نکاح کرنا جائز
ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ آزاد مسلم مرد کے لئے کتابیہ لونڈی سے
نکاح کرنا جائز نہیں۔ لونڈیوں سے نکاح بقدرِ ضرورت جائز ہے
کیونکہ لونڈی کے ساتھ نکاح کرنے میں اپنی جزء یعنی اولاد کو غلام بنانا
پڑتا ہے حالانکہ یہ ضرورت مسلمہ لونڈی کے ساتھ نکاح کرنے سے
پوری ہو سکتی ہے۔ یعنی احسن تو یہ ہے کہ آزاد عورت سے نکاح

Marfat.com

کیا جائے۔ اگر وہ میسّر نہ ہو تب باندی سے کرلے۔ لونڈی کے ساتھ تزوّج میں یہ خامی ہے کہ آزاد مرد کی غیر کی لونڈی سے جو اولاد ہوگی وہ لونڈی کے مالک کی غلام ہوگی اور اپنی جُزء کو غلام بنانا زیبا حرکت نہیں ہے) امام شافعیؒ مزید فرماتے ہیں (چونکہ باندی سے نکاح کرنا محض اشدّ ضرورت پر منحصر ہوتا ہے اس لئے) ایک آزاد عورت سے نکاح کی استطاعت اس سے مانع ہے کہ باندی سے نکاح کیا جائے (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

"فمن لم یستطع منکم طولا ان ینکح المحصنات المؤمنات فمما ملکت ایمانکم من فتیاتکم المؤمنات" یعنی تم میں سے جو آزاد پاک دامن مؤمن عورتوں سے نکاح کی استطاعت نہیں رکھتے تو وہ اپنی ان مؤمنہ لونڈیوں سے نکاح کر سکتے ہیں جن کے تمہارے ہاتھ مالک ہیں۔ اس آیت سے کتابیہ کے نکاح کے عدم جواز پر دلیل دی جا سکتی ہے مگر اس میں کتابیہ کی نفی کہاں ہے صرف بہتر صورت کا بیان کیا گیا ہے)۔

امام شافعیؒ کے جواب میں احناف کہتے ہیں چونکہ قرآنی آیات مطلق ہیں۔ لہٰذا لونڈی سے نکاح مطلقاً جائز ہوگا (کیونکہ "فانکحوا ما طاب لکم" الایۃ اور احل لکم ما وراء ذٰلکم" مطلق ہیں) لونڈی کے ساتھ نکاح کرنے سے مرد اپنے آپ کو آزاد بچے سے محروم کر رہا ہے نہ یہ کہ اسے غلام بنا رہا ہے کیونکہ مرد کو اختیار ہے کہ وہ اصل یعنی بچے ہی کو حاصل نہ کرے تو اسے یہ بھی اختیار ہوگا کہ وہ اچھے وصف والا یعنی آزاد بچہ حاصل نہ کرے (یعنی لونڈیوں کے ساتھ نکاح کرنے سے صرف اتنی بات ہوگی

Marfat.com

کہ اس کی اولاد حُرّیت کے وصف سے محروم رہے گی۔ غلام تو نسب
جب کوئی لڑکا پیدا ہو مگر مرد کو اختیار ہے کہ اولاد پیدا ہی نہ کرے
وغیرہ سے کام لے کر اولاد سے پرہیز کرے۔ جب اسے اصل کے حاصل
نہ کرنے پر اختیار ہے تو وصفِ حریت کے عدمِ حصول پر بدرجہ اولیٰ
اختیار ہوگا اس لئے غلام بنانے والی دلیل جو امام شافعیؒ نے پیش کی ہے
درست نہیں ہے۔ علمائے حنفیہ کے نزدیک بھی مسلمہ لونڈی کے میسر ہوتے
ہوئے کتابیہ سے نکاح مکروہ ہے۔ حضرت عمرؓ تو ایسے موقع پر بہت غصے
ہوتے تھے)

**مسئلہ**:۔ آزاد عورت پر باندی کو نکاح میں لانا جائز نہیں۔ بقولہ علیہ السلام
لاتنکح الامۃ علی الحرۃ" یعنی آزاد عورت پر باندی سے نکاح نہ کیا جائے
امام شافعیؒ غلام کے لئے جائز قرار دیتے ہیں کہ حُرّہ باندی سے نکاح کر
اور امام مالکؒ حرّہ کی رضا سے جائز کہتے ہیں مگر حدیث میں چونکہ مطلق
ہے اس لئے یہ حدیث دونوں پر حجت ہوگی۔

ہماری دوسری دلیل یہ ہے جیسے ہم کتاب الطلاق میں واضح طور پر
بتائیں گے کہ غلامی کی وجہ سے نعمت نصف ہو جاتی ہے جس سے یہ بات
ثابت ہو جائے گی کہ باندی سے نکاح صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے
جب کہ وہ تنہا ہو اور اس صورت میں منعقد نہ ہوگا جب کہ وہ آزاد عورت
پر نکاح میں لائی جائے یا آزاد عورت اور باندی سے ایک ہی وقت
میں نکاح کیا جائے (یعنی حُرّہ کے مقابلے میں لونڈی کے حقوق آدھے

Marfat.com

ہوتے ہیں تو یہ مناسب نہیں کہ ایک پوری نعمت کی حقدار (حُرّہ) پر ایک نصف حقدار کو سوت بنا کر لایا جائے بخلاف حُرّہ علی الحُرّہ کے۔ کیونکہ دوسری حُرّہ بھی اتنے ہی حقوق کی مالک ہوتی ہے جتنے کی پہلی۔ لہٰذا باندی سے حالتِ انفراد میں (یعنی پہلے حُرّہ سے نکاح نہ ہو) نکاح جائز ہے کیونکہ لونڈی محلِ حلیت ہے مگر بحالتِ انضمام (یعنی جب پہلے حُرّہ منکوحہ موجود ہو) مناسب نہیں)

مسئلہ :۔ باندی پر حُرّہ سے نکاح کرنا جائز ہے بقولہ علیہ السلام "نکح الحُرّۃُ علی الامۃ" یعنی لونڈی پر حُرّہ سے نکاح کیا جا سکتا ہے نیز حُرّہ تمام حالات میں حلال کی گئی ہے (چاہے کوئی منکوحہ ہو یا نہ ہو) کیونکہ کوئی چیز حُرّہ کے حقوق کو نصف کرنے والی نہیں۔

مسئلہ :۔ اگر حُرّہ کی طلاقِ بائن کی عدت میں باندی سے نکاح کیا تو ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز نہ ہوگا اور صاحبین جواز کے قائل ہیں۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ ممنوع تو یہ امر ہے کہ حُرّہ پر سوت نہ لائی جائے۔ مگر اس صورت میں یہ بات لازم نہیں آتی کیونکہ تزوج امۃ علی الحُرّہ نہیں ہے (کیونکہ اب حُرّہ تو متفقہ طور پر حرام ہے) لہٰذا اگر ایک شخص قسم کھائے کہ میں اس حُرّہ پر شادی نہیں کروں گا تو وہ اس نکاح (اماۃ) سے حانث نہیں ہوگا۔

امام اعظمؒ فرماتے ہیں چونکہ حُرّہ مُطلقہ کے بعض احکام نفقہ و سکنیٰ وغیرہ ابھی تک باقی ہیں لہٰذا نکاح بھی من وجہ باقی ہے اس لئے احتیاط اسی

میں ہے کہ مرد و عدت سے قبل باندی کے نکاح کو جائز قرار نہ دیا جائے
بخلاف قسم کے کیونکہ قسم سے تو مقصود یہ تھا کہ حرہ کی باری میں دوسری
کو شامل نہیں کرے گا اور طلاقِ بائن سے حرہ کی باری ہی نہ رہی۔ تو
حانث ہونے کا سوال کہاں ہے)

مسئلہ:۔ آزاد مرد چار آزاد عورتوں یا باندیوں سے نکاح کر سکتا ہے
ان سے زیادہ کے ساتھ جائز نہیں۔ بقولہ تعالیٰ "فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ
مِنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ" اور کسی عدد کا نص میں متعین
زیادتی سے مانع ہوتا ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مسلمان مرد صرف
ایک ہی لونڈی سے نکاح کر سکے کیونکہ ان کے نزدیک باندی کے نکاح کا
جواز بضرورت طبعی پر ضرورت ہے۔ بہرحال ہماری پیش کردہ آیت امام شافعیؒ
پر حجت ہے کیونکہ نکاح عام ہے جو حرہ اور امۃ دونوں کو شامل ہے اس لئے
منکوحہ باندی پر بھی لفظ نساء کا اطلاق بطور حقیقت ہوتا ہے جیسا کہ ظہار میں
(اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ) میں نساء کا لفظ حرہ اور
امۃ دونوں کو شامل ہے

مسئلہ:۔ غلام کے لئے دو عورتوں سے زیادہ کے ساتھ شادی کرنا
جائز نہیں۔ مگر امام مالکؒ فرماتے ہیں دو سے زیادہ بھی کر سکتا ہے کیونکہ غلام
بھی نکاح کے معاملہ میں آزاد مرد کی مانند ہے کیونکہ نکاح وغیرہ کرنا انسان کا
خاصہ ہے اور غلام بھی آزاد کے ساتھ انسانیت میں برابر کا شریک ہوتا ہے ہماری
کہ وہ اپنے مولیٰ کی اجازت کے بغیر نکاح کر سکتا ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ غلامی تمام حقوق کی تنصیف کر دیتی ہے اس لئے غلام دو عورتوں کے ساتھ نکاح کر سکیگا۔ اور آزاد چار کے ساتھ تاکہ شرفِ حریت کا اظہار ہو رہا ہے۔

مسئلہ :۔ اگر کوئی آزاد مسلم مرد اپنی بیویوں میں سے کسی ایک کو طلاق بائن دیدے (بائن کی شرط اس لئے لگائی گئی ہے کہ طلاقِ رجعی میں ائمہ میں باہم اختلاف نہیں) تو مطلقہ بیوی کی عدت کے اختتام تک وہ نئی چوتھی بیوی کو نکاح میں نہیں لا سکتا۔ اس مسئلے میں بھی امام شافعیؒ کا اختلاف ہے اور یہ ایک بہن کی عدت میں دوسری بہن سے نکاح کرنے جیسا مسئلہ ہے (جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے)

مسئلہ :۔ امام محمدؒ نے جامع الصغیر میں کہا ہے کہ اگر کوئی مرد زنا سے حاملہ عورت کو نکاح میں لائے تو نکاح جائز ہوگا مگر وضعِ حمل تک اس سے مباشرت نہ کرے۔ یہ صورت امام اعظمؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہے۔ (امام شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے) ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ ایسا نکاح فاسد ہوگا اور اگر حمل کا نسب بھی ثابت ہو (یعنی زنا کا حمل نہ ہو۔ وطیِ شبہ یا وطیِ نکاح فاسد وغیرہ سے ہو) تو اس صورت میں سب کے نزدیک نکاح باطل ہوگا۔ امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ ممانعتِ نکاح دراصل حرمتِ حمل کے پیشِ نظر ہے اور یہ حمل اگرچہ زنا سے ہے تاہم قابلِ احترام ہے کیونکہ اس کا کوئی قصور نہیں اور اسی لئے تو اس کا اسقاط جائز نہیں (تو جس طرح پر حملِ محترم میں نکاح باطل ہوتا ہے اسی طرح اس حمل کی وجہ سے بھی

Marfat.com

باطل ہوگا)

طرفین اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ زنا سے حاملہ عورت بہرکیف ان عورتوں سے ہے جن سے نکاح نصِ قرآنی (وَاُحِلَّ لَکُمْ مَا وَرَاءَ ذٰلِکُمْ) سے جائز ہے (لہٰذا اس سے نکاح کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں) البتہ وطی اس لئے ممنوع قرار دی گئی کہ کوئی مرد غیر کی کھیتی کو اپنے پانی سے سیراب نہ کرے۔ (حدیث میں آتا ہے۔ من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلا یسقین ماءہ زرع غیرہ۔ یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پانی سے غیر کی کھیتی کو سیراب نہ کرے) اور یہ عورت کے حمل کا نسب ثابت ہو اس سے نکاح اس لئے باطل ہے کہ حمل کے ولد کا حق پیشِ نظر ہے نہ کہ زانی کی حرمت ملحوظ ہے (امام اعظمؒ اور امام محمدؒ کی رائے زیادہ قرینِ قیاس ہے کیونکہ حمل انسان ہونے کی وجہ سے قابلِ احترام ہے اور زنا کے حمل کا بھی یہی تقاضا ہے کہ نکاح کو جائز قرار نہ دیا جائے جس طرح امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں اور زانی کا عدم احترام یہ تقاضا کرتا ہے کہ نکاح اور وطی دونوں جائز قرار دے دیئے جائیں مگر دونوں جہتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے طرفین نے نکاح جائز رکھا اور وطی ممنوع قرار دے دی)

مسئلہ:۔ اگر کسی نے ایسی حاملہ عورت سے نکاح کیا جو اسیرۂ جنگ ہو تو نکاح فاسد ہوگا کیونکہ اس حمل کا نسب (حربی خاوند سے) ثابت ہے۔

مسئلہ:۔ اگر مولیٰ اپنی اُمِّ ولد یعنی اس باندی کی جو اپنے مولیٰ سے حاملہ ہو کر

ایک بچہ جن چکی ہو یا جواسی سے حاملہ ہے، کسی دوسرے شخص سے نکاح کر دے تو نکاح باطل ہوگا کیونکہ اُمِّ ولد اپنے مولیٰ کی فراش (ہم بستر) شمار ہوگی حتیٰ کہ اس کے بچے کا نسب اپنے مولیٰ سے دعویٰ کئے بغیر بھی ثابت ہوگا اور اگر یہ نکاح درست قرار دیا جائے تو وہ ایک ہی وقت میں دو مردوں کی فراش قرار پائے گی (اور نسب میں آمیزش واقع ہوگی)

(مذکورہ صورت میں اگر اعتراض کیا جائے کہ حاملہ باندی سے نکاح اس لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے مولیٰ کی فراش ہوتی ہے لیکن غیر حاملہ باندی بھی تو اپنے مولیٰ کی فراش ہوتی ہے تو اس کا نکاح بھی جائز نہ ہونا چاہیئے۔ صاحبِ ہدایہ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں) البتہ اُمِّ الولد کے بچے کا نسب اس شخص کی طرف اس صورت میں مستحکم نہ مانا جائے گا جبکہ خود اُس نے اس بچے کو اپنی طرف منسوب کرنے سے انکار کر دیا ہو اور لعان نہ کیا ہو تو اس صورت میں اس عورت کے حمل کا اعتبار نہ ہوگا (اور اس سے نکاح کی اجازت ہوگی جب حاملہ باندی کی صورت میں مولیٰ حمل کے نسب کی نفی کر دے تو وہ نکاح کر سکتی ہے تو غیر حاملہ کا نکاح تو بدرجۂ اولیٰ جائز ہوگا۔ اس کی مزید تفصیل آگے آرہی ہے)

مسئلہ: جس نے اپنی باندی سے وطی کی پھر کسی دوسرے سے اُس کا نکاح کر دیا تو نکاح جائز ہے کیونکہ وہ اپنے مولیٰ کی فراش شمار نہ ہوگی (بوجہ عدمِ حمل) کیونکہ وہ باندی اگر بچہ جنے اور مولیٰ خود ثبوتِ نسب کا دعویٰ نہ کرے تو نسب ثابت نہیں ہو سکتا لیکن آقا کے لئے بہتر یہی ہے

Marfat.com

کہ اس کو کسی دوسرے کے نکاح میں دینے سے قبل استبراء کرائے (یعنی مجامعت ترک کر دے اور ایک حیض آنے دے تاکہ پتہ چل جائے کہ یہ حاملہ نہیں ہے) اس طرح اس کے نطفے کی حفاظت ہو سکے گی۔ جب نکاح جائز ٹھہرا تو شوہر کو یہ حق حاصل ہوگا کہ اس سے وطی کرے قبل اس سے کہ اسے حیض آئے۔ یہ صورت شیخین کے نزدیک ہے۔ مگر امام محمدؒ فرماتے ہیں۔ مجھے یہ پسند نہیں آتا کہ زوج استبراء سے پہلے وطی کرے۔ کیونکہ احتمال ہے کہ وہ اپنے مولیٰ سے حاملہ ہو گئی ہو اس لئے استبراء واجب ہے جیسا کہ خریدنے پر استبراء ضروری ہوا کرتا ہے۔

شیخین کی دلیل یہ ہے کہ جواز نکاح اس امر کی علامت ہے کہ باندی اپنے مالک سے حاملہ نہیں (کیونکہ بصورت حمل تو نکاح ہی جائز نہ ہوتا) پس مالک پر استبراء کا حکم نہ مستحب ہے اور نہ واجب۔ بخلاف فروخت کے کیونکہ اس صورت میں تو وہ حاملہ کو بھی فروخت کر سکتا ہے۔

مسئلہ: اگر کسی مرد نے کسی عورت کو بدفعلی میں مبتلا دیکھا پھر اس سے نکاح کر لیا تو شیخین کے نزدیک استبراء سے پہلے بھی اس سے مباشرت جائز ہو گی مگر امام محمدؒ استبراء سے پہلے مباشرت کو بنظر استحسان نہیں دیکھتے۔ دونوں کے دلائل اوپر ذکر کئے جا چکے ہیں۔

مسئلہ: نکاح متعہ باطل ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ مرد کسی عورت سے کہے کہ میں تجھ سے اتنی مدت تک اتنی رقم کے عوض متمتع ہوتا ہوں۔ امام مالکؒ کے نزدیک نکاح متعہ جائز ہے کیونکہ وہ مباح ہوا تھا۔ لہٰذا

یہ حکم تب تک باقی رہے گا جب تک اس کا نسخ ثابت نہ ہو (ہدایہ کے تمام شارحین نے لکھا ہے کہ صاحبِ ہدایہ نے امام مالکؒ کی طرف یہ قول غلط فہمی سے منسوب کیا ہے حالانکہ امام مالکؒ بھی دوسرے ائمہ کی طرح حرمت کے قائل ہیں۔ مسلمانوں میں صرف شیعہ حضرات حلت کے قائل ہیں)

ہم کہتے ہیں کہ اس کا نسخ صحابہ کرام کے اجماع سے ثابت ہے صرف ابنِ عباسؓ سے اختلاف منقول ہے مگر صحیح یہ ہے کہ ابن عباسؓ نے بھی رجوع کر لیا تھا لہذا "نکاحِ متعہ" اجماعِ امت سے باطل ہے۔

مسئلہ: نکاحِ موقت بھی باطل ہے (نکاحِ متعہ اور موقت میں فرق یہ ہے کہ متعہ میں "متعہ" کہا جاتا ہے اور موقت میں "تزوج" اور ساتھ گواہ بھی ہوتے ہیں) مثلاً یہ کہ کسی عورت سے دو گواہوں کی شہادت کے ساتھ دس دنوں کے لئے نکاح کرے۔ امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ نکاح درست تو ہو گا مگر ہمیشہ کے لئے لازم ہو گا یعنی بدونِ طلاق رفع نہیں ہو سکے گا کیونکہ شروطِ فاسدہ سے نکاح باطل نہیں ہوا کرتا۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ (نکاح موقت بھی) معناً متعہ ہی ہے اور نکاح میں اعتبارِ مفہوم پر کیا جاتا ہے۔ نکاح موقت میں مدت طویل ہو یا کم اس سے کچھ فرق واقع نہیں ہوتا۔ ہر دو حالت میں باطل ہے کیونکہ وقت کا مقرر کرنا متعہ کی نوعیت ہی کا ایک گونہ تعین ہے جس کا ذکر ہو چکا۔

مسئلہ: جس شخص نے دو عورتوں سے ایک عقد میں نکاح کیا اور

Marfat.com

ان میں سے ایک اس کے لیے حلال نہیں (بوجہ قرابت۔ رضاعت یا حرمت مصاہرت) تو جس عورت سے اس کا نکاح جائز ہے اس سے نکاح صحیح ہو جائے گا اور دوسری سے نکاح باطل ہوگا کیونکہ نکاح باطل کرنے والی حرمت صرف ایک ہی میں تھی۔ بخلاف اس صورت کے جب وہ ایک آزاد اور ایک غلام دونوں کو اکٹھا بیچ ڈالے (تو پوری بیع ہی باطل ہوگی) کیونکہ بیع شرط فاسدہ سے باطل ہو جاتی ہے اور اس سودے میں آزاد آدمی کو قبول کرنا شرط کے طور پر موجود ہے (یعنی بائع جب ایک آزاد اور غلام کو اکٹھا فروخت کرے تو مشتری یا تو دونوں کو قبول کرے گا یا دونوں کو ترک کر دے گا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک کو قبول کرے اور دوسرے کو چھوڑ دے کیونکہ اس طرح سودے میں تفریق لازم آتی ہے اور بائع کو نقصان رہتا ہے مگر چونکہ قبولِ حر کی شرط بھی موعد ہے اور حر قابلِ بیع نہیں لہٰذا بیع ہی منعقد نہ ہوگی۔

ابو حنیفہؒ کے نزدیک مندرجہ بالا صورت میں پورا مہر اس عورت کو ملے گا جس سے نکاح جائز تھا۔ البتہ صاحبین کے نزدیک مہر مسمّٰی دونوں کے مہر مثل کے تناسب سے ان میں تقسیم کیا جائے گا۔ اس مسئلے کو امام محمدؒ نے مبسوط میں ذکر کیا ہے۔

مسئلہ: اگر کسی مرد پر کسی عورت نے دعویٰ کیا کہ اس نے مجھ سے نکاح کیا ہے اور اپنے دعویٰ پر گواہ بھی پیش کر دیئے اور قاضی نے اسے اس کی بیوی قرار دے دیا حالانکہ فی الواقع مرد نے نکاح نہیں کیا تھا تو اب

Marfat.com

عورت اس مرد کے ساتھ رہ سکتی ہے اور اسے وطی پہ قادر کر سکتی ہے۔
یعنی مرد کو بھی یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ اس سے وطی کرے۔ یہ امام اعظمؒ
کا قول ہے اور ابو یوسفؒ کا پہلا قول بھی یہی ہے ان کے دوسرے قول
جو امام محمدؒ کا بھی قول ہے، کے مطابق مرد کو ایسی عورت سے وطی کرنا
جائز نہیں۔ امام شافعیؒ بھی اسی کے قائل ہیں کیونکہ قاضی نے فیصلے میں
غلطی کی ہے اس لئے کہ گواہ جھوٹے تھے جیسے کہ یہ ظاہر ہو جائے کہ
گواہ غلام یا کافر تھے (تو اس صورت میں نکاح کالعدم ہوتا کیونکہ ان کی گواہی
مسلمان پہ قبول نہیں)

امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ گواہ قاضی کے نزدیک، سچے ہیں (کیونکہ مفروض
یہی ہے کہ قاضی کو ان کے کذب کا علم نہیں) حقیقت صدق پر مطلع ہونا
قاضی کے بس میں نہیں۔ بخلاف گواہوں کے کفر اور غلامی کے کیونکہ ان پر
مطلع ہونا آسانی سے ممکن ہے جب فیصلے کی بنیاد حجت و دلیل پہ ہو اور
قاضی اسے حقیقتاً نافذ کر سکتا ہو کہ ان کا نکاح موجود ہے تو یہ فیصلہ نافذ
متصور ہوگا تاکہ باہمی مناقشت اور تنازعہ ختم ہو سکے۔ (یعنی ہم یہ تصور
کر لیں گے کہ گویا قاضی کے فیصلے سے ذرا دیر پہلے اس کا نکاح ہو گیا
تو قاضی کا فیصلہ نکاح کی حیثیت رکھے گا)

بخلاف املاکِ مرسلہ کے (املاکِ مرسلہ سے یہ مراد ہے مثلاً ایک
شخص قاضی کے پاس دعویٰ کرے کہ یہ باندی میری ہے۔ دو گواہ بھی
پیش کر دے مگر ملکیت کا کوئی سبب بیان نہ کرے کہ مجھے خرید، ہبہ

Marfat.com

صدقہ یا میراث میں سے کس طریقے سے حاصل ہوئی ہے تو ایسی باندی سے
وطی جائز نہیں۔ جب تک کہ واقعی اس کی ملکیت نہ ہو۔ املاکِ مرسلہ میں
باوجود گواہوں کے نکاح کی طرح فیصلہ نافذ نہیں کیا جاتا کیونکہ اس صورت
میں بہت سے اسبابِ ملکیت ہیں جو آپس میں مزاحم و متضاد ہیں اور
قاضی کوئی ایک سبب معین نہیں کر سکتا کیونکہ اسے کیا علم کہ باندی کس
طرح اس کی ملکیت میں آئی۔ یہ بھی ممکن نہیں کہ جملہ اسباب کی وجہ سے
مالک بنا ہو۔ کیونکہ اسباب متضاد ہیں) تو قضائے قاضی کے حقیقۃً نافذ
ہونے کا کوئی امکان نہیں۔

Marfat.com

# ولایت اور کفائت کا بیان

(۱) ولی وہ ہوتا ہے جس کا قول دوسرے پر نافذ ہو۔ دوسرا چاہے یا نہ چاہے

**شرائط ولایت** (۱) عقل (۲) بلوغ کیونکہ بچہ اور مجنون اہلیتِ ولایت سے محروم ہوتے ہیں (۳) اسلام۔ فاسق آدمی ولی بن سکتا ہے۔ (۴) حریت۔ غلام ولی نہیں ہو سکتا۔

**اسبابِ ولایت** (۱) قرابت (۲) وراثت
(۳) ولاء (۴) امامت

ولایتِ قرابت:۔ وہ قرابت جو عورت کے واسطے سے نہ ہو۔ ان میں ترتیب ولایت یوں ہوگی۔

۱۔ بیٹا۔ پوتا۔ پرپوتا۔ اسی طرح کئی پشتوں تک۔
۲۔ باپ۔ دادا۔ پردادا۔ اسی طرح کئی پشتوں تک۔
۳۔ حقیقی بھائی۔ سوتیلا بھائی۔ ان کے بیٹے۔
۴۔ حقیقی چچا۔ سوتیلا چچا اور ان کے بیٹے۔
۵۔ باپ کا حقیقی چچا۔ باپ کا سوتیلا چچا۔ ان کے بیٹے۔
۶۔ دادا کا حقیقی چچا۔ سوتیلا چچا۔ ان کے بیٹے۔

وراثت کے رشتہ سے مراد ہے وہ وارث کہ ذوی الفروض کے بعد

جو کچھ بچے سب لے لے۔ اور ذوی الفروض کے نہ ہونے کی صورت میں یورے مال کا مالک ہو۔

۱۔ ماں۔ دادی۔ نانی ۲۔ بیٹی۔ پوتی۔ نواسی

۳۔ پرپوتی، نواسی کی بیٹی ۴۔ نانا

۵۔ حقیقی بہن۔ علاتی بہن۔ اخیافی بہن، ان کی اولاد۔

۶۔ پھوپھی۔ ماموں۔ خالہ۔ عمزاد بہن۔ پھر ان کی اولاد۔

مولی الموالات :۔ جس شخص کے ہاتھ پر اس کا باپ اسلام لایا اور یہ عہد کیا کہ میرے بعد یہ وارث ہوگا یا باہم ایک دوسرے کی ولایت کا عہد کیا ہو۔

اگر مذکورہ تینوں نہ ہوں تو سلطان یا حاکم کو حقِ ولایت ہوگا

مسئلہ :۔ آزاد، عاقلہ اور بالغہ عورت کا نکاح اس کی رضا سے منعقد ہو جائے گا اگرچہ یہ اس کے ولی کے ہاتھوں انجام نہ پایا ہو۔ عورت خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ۔ ہر دو صورت میں کوئی فرق نہیں۔ یہ شیخین کا قول ہے جو ظاہر روایت میں منقول ہے۔ ابو یوسفؒ کی دوسری روایت کے مطابق ولی کے بغیر نکاح کا انعقاد نہ ہوگا اور امام محمدؒ کے نزدیک نکاح تو منعقد ہو جائے گا لیکن ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ عورتیں اپنا نکاح قطعاً خود نہیں کر سکتیں کیونکہ نکاح میں کچھ مقاصد ملحوظ ہوتے ہیں اور اگر نکاح کا اختیار عورت کو سونپ دیا جائے تو ان مقاصد میں خللِ عظیم واقع ہو جائے گا (کیونکہ ممکن ہے کہ وہ وقتی

Marfat.com

جذبات کے تحت کسی غیر شریف اور بدکردار مرد کا انتخاب کرلے اور تمام خاندان کی عزت خاک میں ملادے) لیکن امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ولی کی اجازت سے یہ خلل رفع ہو جاتا ہے (اس لئے نکاح اس کی اجازت پر موقوف رہے گا)

جوازِ نکاح کا سبب یہ ہے کہ عورت نے خاص اپنے حق میں تصرف کیا ہے اور چونکہ وہ عاقلہ ہے اور برے بھلے میں تمیز کر سکتی ہے لہٰذا وہ اس بارے میں تصرف کا حق رکھتی ہے اور اسی اہلیت کی بنا پر وہ اپنے ذاتی مال میں بھی تصرف کرنے کا اختیار رکھتی ہے۔ اسے خاوند کی پسندیدگی کا حق بھی حاصل ہے (سوال جب عورت کو ہر طرح سے اختیار حاصل ہے تو پھر ولی سے نکاح کا مطالبہ کیوں کیا جاتا ہے؟) ولی کو نکاح سرانجام دینے کی ذمہ داریاں اس لئے سونپی جاتی ہیں کہ عورت کی طرف بے حیائی اور بے باکی منسوب نہ کی جائے۔

ظاہر روایت میں کفو اور غیر کفو میں (نکاح کرنے میں) کوئی فرق نہیں کیا گیا لیکن غیر کفو میں نکاح کرنے سے ولی عورت پر اعتراض کر سکتا ہے۔ (قاضی کے پاس مقدمہ کر کے نکاح منسخ کرا سکتا ہے (نوادر ہشامؒ میں) ۔ شیخین سے روایت ہے کہ غیر کفو میں نکاح جائز ہی نہیں ہوگا کیونکہ ازدواجی زندگی میں بسا اوقات ایسے واقعات پیش آتے ہیں جنہیں عدالت تک نہیں لے جایا جاتا (مثلاً ولی غریب ہو اور اس میں مقدمہ دائر کرنے کی سکت نہ ہو مگر غیر کفو میں نکاح کی عار کو بھی ناقابلِ برداشت جانتا ہے لہٰذا غیر

کفو میں نکاح کو ناجائز قرار دیا گیا تاکہ اولیاء کو دقتیں پیش نہ آئیں)

یہ بھی روایت کی جاتی ہے کہ امام محمدؒ نے بھی شیخین کے قول کی طرف رجوع کر لیا (کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح منعقد ہو سکے گا اور ولی کی اجازت پر موقوف نہ ہوگا)

مسئلہ:۔ کسی ولی کو حق حاصل نہیں کہ وہ باکرہ بالغہ کا نکاح جبراً کر دے۔ امام شافعیؒ کو اس سے اختلاف ہے وہ بالغہ کو بھی صغیرہ ہی پر قیاس کرتے ہیں کیونکہ بالغہ کو بھی عدم تجربہ کی بنا پر نکاح کے امور کا پورا پورا علم نہیں ہوتا۔ اس لئے بالغہ کا باپ اس کے کفو [illegible] لے لیتا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ باکرہ بالغہ ایک آزاد عورت ہے لہٰذا کسی غیر کو یہ حق حاصل نہیں کہ جبراً اس کا ولی بنے۔ صغیرہ پر ولایت اجبار محض اس لئے ہوتی ہے کہ وہ ابھی کم عقل ہے (اور اپنے مفاد کے متعلق کچھ نہیں سوچ سکتی) لیکن اس کمی کی تلافی بلوغ سے ہو جاتی ہے کیونکہ بلوغ کے شرعی احکام اس پر بھی عائد ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا اسے بھی وہی حیثیت حاصل ہو گئی جو بالغ لڑکے کو حاصل ہوتی ہے (کہ جب لڑکا بالغ ہو جائے تو اسے حق ولایت حاصل ہو جاتا ہے اور اس پر جبر و اکراہ جائز نہیں ہوتا) اور بالغہ کا نکاح میں تصرف ایسا ہی ہے جیسا کہ وہ اپنے ذاتی مال میں تصرف کرے (اور جہاں تک امام شافعیؒ کے اعتراض کا تعلق ہے اس کا جواب یہ ہے کہ) باپ اس کا مہر اس کی رضا سے لے سکتا ہے (اور وہ بھی

Marfat.com

لڑکی کے لئے ہی وصول کرتا ہے نہ کہ اپنے لئے) ورنہ عورت کے منع کرنے پر وہ وصول نہیں کر سکتا (تو ثابت ہوا کہ نکاح لڑکی کی رضا پر منحصر ہے لہٰذا اجبار جائز نہیں)

مسئلہ :۔ قدوریؒ فرماتے ہیں جب باکرہ بالغہ سے اس کا ولی اجازتِ نکاح طلب کرے اور وہ خاموش ہو جائے یا ہنس پڑے تو یہ اس کی اجازت متصور ہوگی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے باکرہ عورت سے اس کے نکاح کے متعلق اجازت حاصل کر لی جائے اور اگر وہ سکوت اختیار کرے تو یہی اس کی طرف سے اجازت ہوگی کیونکہ خاموشی اور مسکراہٹ میں اس کی رضا مضمر ہوتی ہے (اس کی خاموشی کو رضا پر اس لئے محمول کیا جاتا ہے کہ) وہ اظہارِ رغبت سے شرماتی ہے لیکن انکار کی صورت میں ایسا نہیں ہوتا۔ (کیونکہ انکار کی حالت میں جرأت کر کے صاف صاف بتا دیتی ہے) اور ہنسنا تو خاموشی سے بڑھ کر رضامندی کی دلیل ہے بخلاف اس کے جب رونے لگے کیونکہ رونا تو ناپسندیدگی اور ناگواری کی علامت ہے۔

بعض فقہاء نے کہا کہ عورت سے جب خندۂ استہزا کا اظہار ہو۔ تو رضامندی شمار نہ ہوگی (کیونکہ اس نے طلبِ اذن کی بات کا مذاق اڑا دیا اور اسے کوئی وقعت نہ دی) اسی طرح اگر بغیر آواز کے روئے تو انکار متصور نہ ہوگا (کیونکہ اگر اس عقد کو غلط خیال کرتی تو ایک مظلوم کی طرح آہ و بکا سے کام لیتی)

مسئلہ :۔ امام محمدؒ جامع الصغیر میں فرماتے ہیں اگر باکرہ سے ولی کے علاوہ کوئی اور شخص یا بعید اذن طلب کرے تو اس صورت میں سکوت رضا شمار نہ ہوگا کیونکہ ممکن ہے ولی اس کی خاموشی شاید اس شخص کی بات پر التفات نہ کرنے کی وجہ سے ہو لہٰذا سکوت اس کی رضا پر دال نہ ہوگا بلکہ اسے اذن دینے کے لئے زبان سے کہنا پڑے گا اور اگر اس میں رضا کا پہلو بھی مضمر مانا جائے تو بھی احتمال ہے (یعنی رضا اور عدم رضا دونوں متحمل ہو سکتے ہیں) ایسے مسئلے میں سکوت پر اکتفا صرف ضرورت کی بنا پر کیا جاتا ہے مگر غیر ولی کو یہ حق حاصل نہیں (لہٰذا زبانی اجازت درکار ہوگی) بخلاف اس صورت کے جب اجازت طلب کرنے والا ولی کا نمائندہ یا قاصد ہو (تو سکوت یا مسکراہٹ ہی اذن متصور ہو سکتا ہے کیونکہ قاصد ولی کے قائم مقام ہوتا ہے (اس لئے اس کی حیثیت ولی کی سی ہوگی)

یہ ملحوظ رہے کہ عورت سے اذن لیتے وقت یہ ضروری ہے کہ خاوند کا نام صحت تعیّن سے لیا جائے تاکہ عورت کو اس کی شخصیت سے پوری پوری شناسائی ہو جائے اور اس کی رغبت یا نفرت کا صحیح علم پر پتہ ہو سکے (مثلاً اگر زید نام کے دو آدمی ہیں۔ زید بن عمر اور زید بن بکر تو اسے واضح طور پر بتایا جائے کہ کونسا زید مراد ہے)

مسئلہ :۔ نکاح کے وقت مہر کا تعین کرنا ضروری نہیں ہے یہی قول زیادہ صحیح ہے (کیونکہ بعض کہتے ہیں کہ مہر کا تعین بھی ضروری ہے کیونکہ مہر کے کم بیش ہونے سے عورت کی رغبت میں بھی کمی بیشی آسکتی ہے لیکن صاحب ہدایہ نے

Marfat.com

نزدیک یہ قول معتبر نہیں) کیونکہ نکاح تو ذکرِ مہر کے بغیر بھی درست ہو سکتا ہے۔
مسئلہ:۔ اگر کسی عورت کا نکاح کر دیا گیا اور عورت کو کچھ علم نہیں، لیکن جب اُسے خبر دی گئی تو خاموش ہو گئی تو اس مسئلہ میں وہی صورت ہو گی، جو ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں کیونکہ صورتِ دلالت سکوت میں وہی رہے گی (یعنی سکوت ولی کی صورت میں اجازت متصور ہو گا۔ اور غیر ولی کی صورت میں نہیں بشرطیکہ وہ ولی کا نمائندہ یا قاصد نہ ہو) اگر خبر دینے والا فضولی (جو بغیر بھیجے اپنی طرف سے خبر دے) ہو تو امام اعظمؒ کے نزدیک عدد یا عدالت شرط ہے (کہ کم از کم دو آدمی ہوں اور ایک ہو تو عادل ہو) صاحبین کا اس میں اختلاف ہے (ان کے نزدیک خبر کا پہنچنا ہی کافی ہے۔ عدد و عدالت شرط نہیں)

اگر خبر دینے والا ولی کا ایلچی ہو تو سب کے نزدیک متفقہ طور پر کوئی شرط نہیں۔ اس کی بھی اور کئی مثالیں ہیں (جیسے کوئی فضولی وکیل سے کہے کہ تم کو موکل نے معزول کر دیا ہے تو امام اعظمؒ کے نزدیک عدد و عدالت شرط ہے مگر صاحبین کے نزدیک کوئی شرط نہ ہو گی۔ ایسے ہی اگر فضولی ماذون غلام سے کہے کہ مالک نے تمہاری اجازت واپس لے لی ہے تو امام اعظمؒ کے نزدیک وہی شرط ہو گی اور صاحبین کے نزدیک نہیں ہو گی۔

مسئلہ:۔ اگر ثیبہ سے ولی بھی نکاح کی اجازت چاہے تو ضروری ہے کہ وہ اپنی رضامندی کا اظہار قول سے کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "اَلثَّیِّبُ تُشَاوَرُ" یعنی ثیبہ سے مشورہ کیا جائے (اور مشاورت کلام ہی سے ہوتی ہے) صحیح مسلم میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ثیبہ اپنی ذات کے

Marfat.com

حق میں ولی سے زیادہ حق دار ہے ) نیز ثیبہ کا زبان سے بولنا عیب شمار نہیں کیا جاتا اور اس میں حججک اور شرم کا مادہ مرد کے گھر میں رہنے سے کم ہو جاتا ہے لہٰذا اسے اپنے حق میں بات کرنے سے کوئی امر مانع نہیں ہے ۔

مسئلہ :۔ اگر باکرہ عورت کی بکارت کود نے یا حیض آنے یا زخم لگنے یا معمر ہونے کی وجہ سے زائل ہو جائے تو اسے باکرہ ہی شمار کیا جائے گا کیونکہ وہ حقیقتاً باکرہ ہے اور اس سے مباشرت کرنے والا پہلا مباشرت کرنے والا ہوگا اور لفظ بکارت کے مادۂ اشتقاق ہی سے باکورہ (Maiden Head) اور بکرہ (Dacon) ہیں ( اگرچہ کسی غلط سے اس کی بکارت تو زائل ہو گئی مگر عدم ممارست کی وجہ سے اس میں حججک اور شرم و حیا ایک باکرہ کی طرح ) موجود ہے

مسئلہ :۔ اگر کسی عورت کی بکارت زنا کی وجہ سے زائل ہو تو بھی امام اعظمؒ کے نزدیک وہ باکرہ ہی شمار ہوگی ۔ صاحبین اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس عورت کا سکوت رضا متصور نہ ہوگا کیونکہ یہ حقیقۃً ثیب ہے اور اس سے مباشرت کرنے والا ( پہلا مباشرت کرنے والا نہ ہوگا بلکہ ) دوسرا مباشرت کرنے والا ہوگا ۔ اسی مادے سے مثوبہ ، مثابہ اور تثویب وغیرہا مشتق ہیں ۔ مثوبہ نیک عمل کا بدلہ گویا نیک عمل دوبارہ مل گیا ۔ مثابہ جہاں آدمی بار بار لوٹ کر آئے اور تثویب اذان کو دہرانا )

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ عرفِ عام میں لوگ ایسی عورت کو باکرہ کی حیثیت ہی سے جانتے ہیں اور اس کے بولنے سے لوگ اس پر طعن

Marfat.com

تشنیع کریں گے۔ اس لیئے وہ بولنے سے شرمائے گی چنانچہ اس کا خاموش رہنا ہی رضامندی کی دلیل ہوگا۔ ورنہ اس کی ازدواجی مصلحتوں میں تعطل پیدا ہونے کا اندیشہ ہے (یعنی اگر وہ شرم وحیا سے قولی اجازت نہ دے تو نکاح سے معطل رہے گی اور اپنے تمام مصالح سے محروم رہ جائے گی) بخلاف اس عورت کے جس کے ساتھ شبہ میں یا نکاحِ فاسد سے مباشرت کی گئی ہو۔ کیونکہ شرع نے اس پر احکام نافذ کر کے اسے ظاہر کر دیا (یعنی نکاحِ فاسد وغیرہ کے احکام تو شریعت نے متعین کر کے اسے ظاہر کر دیا ہے اس لیئے وہ تو ثیبہ کے حکم میں ہوگی۔ اگر ایسی عورت مباشرت کی بات چھپا بھی لے تو کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اس پہ مہر و عدت وغیرہ کے احکام جاری ہوں گے۔ تو اخفاء کیسے ممکن ہے)

لیکن زنا کے متعلق مناسب یہی ہے کہ اس کی تشہیر نہ کی جائے (لہذا سکوت ہی اذن شمار ہوگا) اگر عورت کا حال لوگوں میں شہرت حاصل کرے تو پھر سکوت کافی نہ ہوگا (بلکہ قولی اجازت کی ضرورت ہوگی)

مسئلہ :۔ اگر مرد کسی عورت سے کہے۔ تجھے میرے ساتھ نکاح ہونے کی خبر پہنچی تھی تو تو خاموش ہو گئی تھی۔ لیکن عورت نے کہا نہیں میں نے تو رد کر دیا تھا تو عورت کی بات تسلیم کی جائے گی۔ امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ مرد کا قول معتبر ہوگا کیونکہ سکوت اصل ہے اور رد کرنا ضمنی اور عارضی چیز ہے (کیونکہ خاموشی اصل ہوتی ہے اور کلام اس کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ اس لیئے زوج مدعیٰ علیہ اور زوجہ مدعیہ ہوگی اور قول ہمیشہ مدعیٰ

Marfat.com

علیہ کا قابلِ قبول ہوتا ہے جب تک کہ اس کے خلاف کوئی دلیل نہ ہو)
پس اس مسئلے کی نوعیت اس سودے کی طرح ہے جس میں خیار کی شرط
ہو اور وہ مدت گزرنے کے بعد رد کرنے کا دعویٰ کرے (مثلاً زید نے
بکر سے گھوڑا خریدا۔ زید کو تین دن کا خیار دیا گیا۔ تین دن گزرنے کے
بعد بکر نے بیع رد کرنے کا دعویٰ کر دیا۔ مگر زید نے کہا۔ کہ بیع مکمل ہو
چکی ہے لہٰذا چونکہ بیع میں تکمیل اصل ہے اور رد ضمنی چیز ہے لہٰذا زید
کی بات تسلیم کی جائے گی)

ہم کہتے ہیں خاوند کا دعویٰ یہ ہے کہ عقد ہو چکا ہے اور اب وہ انتفاع
کا مالک ہے مگر عورت کی بات کا انکار کرتی ہے۔ (حدیث میں آتا ہے
البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر) یعنی قول منکر کا قابلِ قبول
ہوگا اور گواہ وغیرہ پیش کرنا مدعی کا کام ہے) تو گویا عورت کی حیثیت بائع
امین کی ہے جو یہ دعویٰ کرے کہ میں نے مالِ امانت واپس کر دیا تھا۔
یعنی جب مودع کہے میں نے امانت واپس کر دی ہے اور مودع (یعنی
امانت رکھنے والا) انکار کرے کہ مجھے اپنی امانت واپس نہیں ملی۔ ایسے
مودع اگرچہ ظاہراً مدعی ہے کیونکہ ردِ ودیعت کا اثبات کر رہا ہے اور
مودع مدعیٰ علیہ بنتا ہے۔ کیونکہ واپسی کی نفی کرتا ہے۔ اب ظاہر کو پیشِ
نظر رکھتے ہوئے تو مدعیٰ علیہ کا قول تسلیم کرنا چاہیئے مگر معنوی لحاظ سے
معاملہ اس کے برعکس ہے کیونکہ مودع کہتا ہے کہ میں نے امانت لوٹا دی
اور اب مجھ پر ضمان باقی نہیں تو یہ منکر و مدعیٰ علیہ ہوا۔ کیونکہ منکر، مدعیٰ

Marfat.com

علیہ ہوا کرتا ہے اور مودع کہتا ہے کہ تم نے واپس نہیں کی بلکہ اب ضمان تمہارے ذمے ہے اس لیئے یہ مدعی ہوگا۔ شرعی لحاظ سے مدعیٰ علیہ کی بات مانی جاتی ہے۔ اب اسی اصول کو زیر بحث مسئلے میں جاری کریں کہ ظاہراً زوج مدعی علیہ اور زوجہ مدعیہ بنتی ہے لیکن معنوی طور پر معاملہ اس کے عکس ہے کیونکہ زوج لزوم عقد اور ملکیت بضع کا دعویٰ کرتا ہے اور زوجہ انکار کرتی ہے اس لیئے زوجہ مدعیٰ علیہا ہوگی۔ لہذا اس کا قول تسلیم کیا جائے گا) بخلاف مسئلہ خیار کے۔ کیونکہ اس میں سودا ملازمت گزرنے کی وجہ سے لازم ہو جاتا ہے۔

اگر مرد نے عورت کے سکوت پر گواہ پیش کر دیئے تو نکاح ثابت ہو جائے گا کیونکہ مرد نے اپنے دعوے کو ثبوت دینے سے زیادہ مستحکم کر دیا ہے۔ اگر مرد کا کوئی گواہ نہ ہو تو امام اعظمؒ کے نزدیک عورت پر قسم واجب نہ ہوگی (بخلاف صاحبین کے) اور یہ چھ چیزوں میں قسم لینے کا مسئلہ ہے جس کی تفصیل انشاء اللہ ہم کتاب الدعویٰ میں بیان کریں گے۔ وہ چھ اشیاء یہ ہیں۔ نکاح[1] - رجعت[2] - فی فی الایلاء[3] - رق[4] - استیلاد[5] اور نسب[6]۔ ان امور میں امام اعظمؒ کے نزدیک مدعیٰ علیہ منکر پر قسم واجب نہیں مگر صاحبین کو اختلاف ہے)

مسئلہ:۔ نابالغ لڑکے اور لڑکی کا نکاح اگر دادی کے ہاتھوں سرانجام پائے تو جائز ہے۔ نابالغہ لڑکی خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ (ثیبہ اس طرح کہ قبل از بلوغ شوہر نے مباشرت کر کے طلاق دے دی یا مر گیا تو اب لڑکی ثیبہ شمار

Marfat.com

ہوگی) ولی سے مُراد رشتہ دار مُراد ہیں جو عصبہ ہوں (عصبات کی ولایت میں وہی ترتیب ہوگی جو وراثت میں ہے)

امام مالکؒ کے نزدیک نکاح میں ولایت کا حق صرف باپ ہی کو حاصل ہے (حتّٰی کہ اگر دادا نکاح کر دے تو منعقد نہ ہوگا) امام شافعیؒ باپ اور دادا دونوں کو ولی شمار کرتے ہیں۔ نابالغہ ثیبہ کے بارے میں بھی امام شافعیؒ ہم سے اختلاف رکھتے ہیں (کہ نابالغہ جب ایک دفعہ ثیبہ ہو گئی تو زبانی اجازت ضروری ہو گی کیونکہ اب اس کے شرم و حیا میں کمی پیدا ہو چکی ہے مگر ہم کہتے ہیں کہ ابھی اس کی عقل میں پختگی نہیں آئی۔ دوسرا اختلاف یہ ہے کہ نابالغہ ثیبہ پر ولایت نہ ہوگی حتّٰی کہ اگر اس کا نکاح بھائی یا چچا کر دے تو جائز نہ ہوگا اور اگر باپ یا دادا بھی زبردستی کریں تو بھی منعقد نہ ہوگا)

امام مالکؒ کی دلیل یہ ہے کہ آزاد لڑکی پر ولایت، ضرورت و حاجت کے پیشِ نظر ہوتی ہے اور زیرِ بحث صورت میں کوئی ضرورت درپیش نہیں کیونکہ نابالغہ میں شہوت کا فقدان ہے (قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ باپ کو بھی ولایت کا حق حاصل نہ ہو) لیکن اس کا ولی ہونا، خلافِ قیاس، نص سے ثابت ہے (کیونکہ ابوبکرؓ نے اپنی نابالغ بیٹی حضرت عائشہؓ کا نکاح آنحضرتؐ سے کیا تھا اور آپؐ نے روا رکھا تھا لہٰذا اس قسم کی روایت کے موجود ہوتے ہوئے ہم اپنے قیاس کا دخل نہیں دے سکتے) اور دادا کی حیثیت باپ جیسی نہیں ہوتی (کیونکہ اس کی شفقت باپ سے کم ہوتی ہے) لہٰذا ولایت میں دادا کو باپ جیسا رتبہ نہیں دیا جا سکتا۔

ہم امام مالکؒ کے جواب میں کہتے ہیں کہ ثبوتِ ولایت قیاس کے عین مطابق ہے کیونکہ نکاح کئی مصلحتوں پر مشتمل ہوتا ہے (اور وہ مصالح صرف شہوت ہی سے مخصوص نہیں۔ اس کے علاوہ بھی بہت سے ہیں اور یہ مصالح اس وقت تک پایۂ تکمیل تک پہنچ سکتے ہیں جب دونوں فریق ہم کفو ہوں اور کفو کا میسّر آنا ہر وقت ممکن نہیں ہوتا۔ لہٰذا ولی کے لئے ولایت ثابت کی گئی تاکہ بچّوں کا نکاح حالتِ صغر میں بھی کر سکیں۔ اور کفو کے موقع کو ضائع نہ ہونے دیں۔ (کیونکہ ہر زمانے میں کفو کا میسّر ہو جانا ضروری نہیں ہے۔ مثلاً لڑکی کا باپ مر گیا تو اب آپ کے قول کے مطابق دادا وغیرہ تو نکاح نہیں کر سکتے بلکہ لڑکی خود بڑی ہو کر کرے گی۔ مگر اس وقت تو کفو میں لڑکا موجود ہے لیکن وہ اتنی مدّت انتظار کرنے کو تیار نہیں تو ممکن ہے لڑکی کو جوان ہونے پر کفو میں رشتہ ہی نہ مل سکے اور ازدواجی مصالح پایۂ تکمیل تک نہ پہنچ سکیں۔ لہٰذا ہم نے ہر اس شخص کے لئے ولایت ثابت کر دی جو کفو کے مصالح کے حصول میں ممدّ و معاون بن سکتا ہے یعنی عصبہ کو بھی ولی قرار دیا گیا)

امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ اگر باپ یا دادا کے علاوہ کسی دوسرے ولی کو یہ اختیارات سپرد کر دیئے جائیں تو نکاح کی مصلحتیں مکمّل طور پر سرانجام نہیں دی جا سکتیں (کیونکہ (باپ اور دادا کے علاوہ) دوسروں میں شفقت ناقص ہوتی ہے۔ قرابت کی دوری کی وجہ سے شفقت کا کم ہونا یقینی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ (باپ اور دادا کے علاوہ کوئی) دوسرا

نابالغ کے مال میں تصرّف کرنے کا حق نہیں رکھتا حالانکہ مال نفس کے مقابلے میں کمتر درجے کی چیز ہے لہذا وہ نفس میں تصرّف کرنے کا حق کیونکر رکھ سکتا ہے جب کہ نفسِ انسانی مال سے بدرجہا اولیٰ اور اعلیٰ ہے۔

احناف امام شافعیؒ کے جواب میں کہتے ہیں کہ قرابت اور رشتہ داری شفقت کا سبب ہوتی ہے جس طرح وہ باپ اور دادا میں پائی جاتی ہے اسی قرابت کی وجہ سے دوسرے ولی میں بھی پائی جا سکتی ہے ہاں دوسرے کی شفقت میں جو کمی تصوّر کی جاتی ہے اس کی تلافی اس طرح سے کر دی گئی کہ اسے ولایتِ لازمہ سے محروم کر دیا گیا (یعنی صغیر اور صغیرہ کا نکاح اگر باپ یا دادا کے علاوہ کوئی دوسرا شخص کرے تو دونوں کو خیارِ بلوغ دیا جاتا ہے کہ نکاح کو قائم رکھیں یا فسخ کر دیں) تو اس طرح شفقت کی کمی کا تدارک ہو سکتا ہے اور یہ صورت تصرّفِ مال کی صورت سے قطعاً مختلف ہے کیونکہ مال و متاع دست گرداں ہوا کرتا ہے۔ اگر اس میں خلل واقع ہو جائے تو تدارک ممکن نہیں۔ لہذا! ولایت تب تک مفید نہیں ہو سکتی جب تک وہ لازم نہ ہو اور جہاں شفقت کی کمی ہو گی وہاں ولایت لازمہ ثابت نہ ہو گی۔

امام شافعیؒ دوسرے مسئلے (یعنی نابالغہ ثیبہ پر کسی کو ولایت کا حق حاصل نہ ہو گا) پر یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ بچپن کا شیب ہونا اس میں تبدیلیٔ رائے کا باعث ہوا کرتا ہے (یعنی نکاح اور ازدواجی زندگی کے مختلف گوشے اس کے سامنے روشن ہو جاتے ہیں کیونکہ اسے اوّل دواجی

Marfat.com

زندگی سے واقفیت ہو چکی ہوتی ہے لہذا اس کے اس علم و تجربہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کے لئے یہی فیصلہ کیا جائے گا تاکہ آسانی رہے۔

ہماری دلیل وہی ہے جو ہم ابھی ذکر کر چکے ہیں کہ یہ ولایت ضرورت کی بنا پر ہے اور باپ دادا میں وفورِ شفقت کی بنا پر انہیں یہ اختیار سپرد کر دیا گیا۔ اور ممارست (زندگی سے آگہی) جب تک شہوت نہ ہو۔ تبدیلیٔ رائے کا باعث نہیں ہوا کرتی لہذا صغر کو پیشِ نظر رکھا جائے گا۔ (یعنی جو لڑکی بالغہ نہیں خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ اس پر ولایت ثابت ہو گی۔ اور عصبہ بھی ولی بن سکتا ہے) ہمارے مذکورہ بالا قول کی تائید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے بھی ہوتی ہے کہ نکاح میں عصبات کا لحاظ بلا تفریق ہوگا۔ ولایتِ نکاح میں عصبات کی وہی ترتیب ملحوظ ہوگی جو وراثت میں ہوتی ہے۔ البتہ یہ ضرور خیال رہے کہ ولی اقرب کی موجودگی میں ولی ابعد کو حق ولایت حاصل نہ ہوگا (جیسے بھائی کے ہوتے ہوئے چچا ولایت کا حق دار نہیں ہوگا)

مسئلہ :۔ اگر صغیر یا صغیرہ کا نکاح باپ یا دادا کرے تو انہیں خیارِ بلوغ حاصل نہیں ہوگا۔ کیونکہ باپ اور دادا کی رائے کامل اور شفقت وافر ہوتی ہے لہذا ان کا کیا ہوا عقد اسی طرح لازم ہوگا جس طرح کہ وہ لڑکے اور لڑکی کے بالغ ہونے پر ان دونوں کی رضامندی سے کریں۔

مسئلہ :۔ اگر باپ یا دادا کے سوا کسی دوسرے ولی نے نابالغ لڑکے اور نابالغہ لڑکی کا عقد کر دیا تو بالغ ہونے پر دونوں کو اختیار ہوتا ہے

Marfat.com

کہ اگر چاہیں تو نکاح کو بحال رکھیں اور چاہیں تو فسخ کرا دیں۔ یہ امام اعظمؒ اور امام محمدؒ کی رائے ہے۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ انہیں خیارِ بلوغ حاصل نہیں ہوگا اور ولی کی شفقت کو باپ دادا ہی کی شفقت تصور کیا جائے گا۔

طرفین کہتے ہیں کہ بھائی کی قرابت ناقص ہوتی ہے جس کا اندازہ شفقت کی کمی سے بآسانی ہو سکتا ہے۔ اس لئے ممکن ہے کہ مفاسد نکاح میں خلل واقع ہو جائے۔ لہٰذا ہم نے خیارِ بلوغ سے اس خلل کا ممکن تدارک کر دیا۔ (کہ اگر وہ بالغ ہونے پر اس نکاح کو نامناسب خیال کریں تو فسخ کرا دیں)، اور خیارِ بلوغ کا یہ حق صغیر اور صغیرہ کو اس صورت میں بھی حاصل ہوگا جب کہ ماں یا قاضی نے بھی نکاح کیا ہو اور یہی صحیح روایت ہے کیونکہ ماں کی رائے ناقص ہوتی ہے اور قاضی کی شفقت۔ لہٰذا انہیں خیارِ بلوغ کا حق حاصل رہے گا۔

لیکن مذکورہ بالا خیارِ بلوغ کی تمام صورتوں میں قاضی کا حکم ضروری ہے۔ (یعنی سیاں بیوی دونوں خود نکاح فسخ نہیں کر سکتے۔ بلکہ عدالت میں دعویٰ کر کے فسخ کرانا پڑتا ہے) بخلاف خیارِ عتق کے۔ (یعنی منکوحہ باندی کو اگر آزادی مل جائے تو اسے بھی فسخ نکاح کا اختیار ہوتا ہے۔ مگر اس صورت میں قاضی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بلکہ خود ہی فسخ کر سکتی ہے) کیونکہ خیارِ بلوغ میں فسخ نکاح مخفی ضرر کو دور کرنے کے لئے ہوتا ہے جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ خلل کا ازالہ ہو جائے (یعنی اگر ولی نے غیر کفو میں نکاح کر دیا یا مہر مثل سے کم قبول کیا ہے تو اس کی تلافی ہو جائے) لہٰذا خیارِ بلوغ لڑکے اور لڑکی

دونوں کو حاصل ہوتا ہے۔ لیکن اسے چونکہ دوسرے کے حق میں بھی لازم ٹھہرایا گیا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ قاضی کا حکم حاصل کیا جائے۔ (یعنی بلوغ کے بعد اگر لڑکی فسخ نکاح چاہے تو اس میں لڑکے کو ضرر ہوگا اور اگر لڑکا فسخ کرانا چاہے تو لڑکی کو نقصان ہے اور جس معاملے میں دوسرے کے نقصان کا احتمال ہو۔ اس میں قضائے قاضی کی ضرورت ہوتی ہے اور چونکہ ضرر دونوں طرف متوقع تھا۔ اس لئے خیارِ بلوغ بھی دونوں کو دیا گیا) لیکن خیارِ عتق میں ایک اہم اور واضح ضرر کا ازالہ مقصود ہوتا ہے جس میں باندی پہ ملکیت میں زیادتی ثابت ہوتی ہے لہٰذا وہ صرف باندی ہی سے مخصوص ہوگا اور اسے بریت شمار کیا جائے گا اور بریت میں قاضی کے حکم کی ضرورت نہیں ہوا کرتی۔

مسئلہ: جب صغیرہ سنِ بلوغ کو پہنچ جائے اور اسے اپنے نکاح کا علم ہو جائے مگر خاموش رہے تو صاحبین کے نزدیک یہ خاموشی رضا متصور ہوگی اور اگر اسے نکاح کا علم نہ ہو (اور وہ خاموش رہے) تو اس کا حقِ خیار اس وقت تک باقی رہے گا جب کہ اسے اپنے نکاح کا علم ہو جائے اور خاموشی اختیار کرے۔

امام محمدؒ یہ شرط لگاتے ہیں کہ اسے نکاح کا علم ہونا ضروری ہے کیونکہ امورِ نکاح میں کسی قسم کا تصرف (اپنی بحال رکھنا یا فسخ کرانا وغیرہ) اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ اسے نکاح کا علم ہو۔

(سوال۔ آپ کہتے ہیں کہ اگر اسے علم نہ ہو تو معذور ہوگی۔ مگر یہ

Marfat.com

کیسے ممکن ہے کہ ولی نے نکاح کیا ہو اور اتنے عرصے تک اس کے علم میں نہ آیا ہو تو صاحبِ ہدایہ جواب دیتے ہیں کہ) جب ولی صغیرہ کو مطلع کئے بغیر اس کا نکاح کر سکتا ہے تو یہ کہاں ضروری ہے کہ صغیرہ کو علم بھی ہو جائے۔ لہٰذا علوم نہ ہونے کی بنا پر اسے معذور مانا جائے گا (نیز نکاح کا علم نہ ہونا کوئی ایسا شرعی فرض نہیں ہے کہ لاعلمی کو قابلِ عذر نہ سمجھا جائے) لیکن خیارِ بلوغ کا علم ہونا شرط نہیں کیونکہ قانون کی نظر میں (ایک آزاد عورت ہونے کی حیثیت سے) اُسے اتنی فراغت حاصل تھی کہ وہ شرعی احکام سے آگہی حاصل کر لیتی جب کہ اس کا شہر (دارالاسلام) میں ہونے کی وجہ سے) دارالعلم تھا۔ لہٰذا اسے اپنے اس حق کا علم نہ ہونے پر معذور نہیں مانا جائے گا۔ بخلاف آزاد شدہ لونڈی کے (کیونکہ اس کے لئے خیارِ بلوغ کا علم ہونا بھی شرط ہے) کیونکہ (لونڈی اکثر امورِ خانہ داری کی انجام دہی میں مصروف رہتی ہے اور) اسے شرعی احکام کے جاننے کی فراغت حاصل نہیں ہوتی۔ لہٰذا اسے حقِ خیار سے لاعلمی کی بنا پر معذور جانا جائے گا اور اس کے لئے حقِ خیار ثابت رہے گا۔

**مسئلہ:** ۔ کفر کا خیار سکوت سے باطل ہو جاتا ہے لیکن لڑکے کا خیار اس وقت تک باطل نہیں ہوتا جب تک اظہارِ رضا کے لئے وہ یہ الفاظ خود نہ کہہ دے کہ میں اس عقد پر راضی ہوں یا اس سے کوئی ایسا فعل صادر ہو جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ وہ راضی ہو گیا ہے۔ (مثلاً مہر پیش کر دے یا از قسم جماع مباشرت وغیرہ کرے)۔

یہی حکم ثیّب صغیرہ کا ہے جب کہ اس کے سن بلوغ کو پہنچنے سے قبل خاوند اس سے مباشرت کرے (تو اسے اختیار ہوگا کہ اپنی رضامندی یا ناپسندیدگی کا اظہار کرے۔ نکاح کو بحال رکھے یا فسخ کرا دے) اس کے لئے بھی وہی احکام ہوتے ہیں جو کہ آغازِ نکاح میں ہوتے ہیں (خیارِ بلوغ وغیرہ۔ یعنی تمام وہ حقوق جو بکر کو حاصل ہوتے ہیں اسے بھی حاصل ہوں گے)

مسئلہ :۔ بکر کا خیارِ بلوغ مجلس کے آخر تک (یعنی مجلس کے برخاست ہونے تک) باقی نہ رہے گا (اگر وہ آغازِ مجلس میں نکاح کے فسخ کرانے کے متعلق کوئی بات نہ کرے اور خاموش بیٹھی رہے تو یہ سکوت رضا تصوّر کی جائے گی اور حقِ خیار جاتا رہے گا) لیکن ثیّب اور لڑکے کا حقِ خیارِ مجلس سے اٹھ کھڑے ہونے کے باوجود باطل نہیں ہوگا کیونکہ یہ خیارِ زوجیّت کے ثابت ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ اس لئے ہے کہ کہیں ان کے بارے میں شفقت میں کمی روا نہ رکھی گئی ہو۔ پس یہ خیار ان کی رضامندی ہی سے باطل ہوگا۔ البتہ یہ خیال رہے کہ بکر کا خاموش رہنا ہی رضا کی علامت ہے۔ ہاں ثیّب کا حق کی صورت جداگانہ ہے۔ کیونکہ وہ خیار مولیٰ کے ثابت کرنے کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے اور مولیٰ کا خیار اس وقت ثابت ہوگا جب وہ اسے آزاد کرے۔ لہٰذا وہ آخر مجلس تک ممتد ہوگا جیسا کہ اس صورت میں ہوتا ہے جب کہ کسی عورت کو طلاق کا اختیار دیا جائے (مثلاً اگر کسی عورت سے شوہر کہے کہ تجھے میرے نکاح میں رہنے یا طلاق لینے میں اختیار ہے۔ اس صورت میں عورت اگر مجلس سے اٹھ کھڑی ہو تو اسے

اختیار نہیں رہے گا) -

مسئلہ

خیار بلوغ سے جو فرقت پیدا ہوتی ہے وہ طلاق شمار نہیں کی جاتی کیونکہ یہ فرقت تو عورت کے خیار سے واقع ہوئی ہے اور عورت کی طرف سے طلاق واقع نہیں ہو سکتی (کیونکہ اسے حق طلاق تفویض ہی نہیں کیا گیا) اسی طرح خیار عتق سے پیدا شدہ فرقت بھی طلاق متصور نہ ہو گی - جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں - لیکن مخیرہ کے مسئلے کی نوعیت مختلف ہو گی کیونکہ خاوند نے اختیار دے کر عورت کو مالک بنا دیا ہے اور شوہر واقعی طلاق کا مالک تھا - (عورت گویا شوہر کی طرف سے وکیل بن گئی ، اور جب اس نے طلاق اختیار کر لی تو گویا شوہر نے خود طلاق دی) -

مسئلہ

اگر زوجین میں سے کوئی ایک قبل البلوغ وفات پا جائے تو دوسرا اس کا وارث تسلیم کیا جائے گا - اسی طرح اگر بلوغ کے بعد لیکن فرقت سے پہلے کوئی ایک فوت ہو جائے تب بھی دوسرا وارث بن جاتا ہے - کیونکہ اصل عقد تو صحیح تھا اور شوہر کا یہ حق کہ وہ بیوی سے متمتع ہو سکے اس کی موت سے تمام منقطع ہو گیا - لیکن نکاح اگر کسی فضولی نے منعقد کیا ہو اور میاں بیوی میں سے کوئی ایک اجازت سے پہلے ہی فوت ہو جائے تو دوسرا اس کا وارث قرار نہیں دیا جائے گا - کیونکہ اس صورت میں تو نکاح ہی کا موقوف ہونا موت سے باطل ہو جائے گا (کیونکہ اب اجازت دینے کا سوال ہی نہ رہا) - لیکن اگر نکاح وفات بعد کے باتھوں انجام پایا ہے تو نکاح نافذ ہو گا اور حق وراثت

Marfat.com

ثابت ہو جائے گا) ۔

**مسئلہ**

قدوری فرماتے ہیں کہ غلام ، بچے اور دیوانے آدمی کو حق ولایت حاصل نہیں ہوتا کیونکہ انہیں تو خود اپنے اوپر حق ولایت حاصل نہیں ہوتا تو دوسروں پر بدرجہ اولیٰ حق ولایت حاصل نہ ہوگا ۔ نیز ولایت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ شفقت کو ملحوظ رکھا جائے ۔ (کہ سوچ سمجھ کر اور تمام حالات کو دیکھ بھال کر نکاح کیا جائے) مگر ان مذکورہ حضرات کو ولایت تفویض کرنے میں شفقت کا شائبہ تک نہیں ۔

**مسئلہ**

کسی کافر کو بھی مسلمان پر حق ولایت حاصل نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔ ''ولن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلا'' ۔ اسی لیے کافر کی گواہی مسلمان کے خلاف قبول نہیں کی جاتی اور نہ ہی کافر ومسلم ایک دوسرے کے وارث بن سکتے ہیں جہاں تک کافر کی اپنی ذات کا تعلق ہے اسے اپنے کافر بیٹے پر حق ولایت ضرور حاصل ہوگا کیونکہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے والذین کفروا بعضھم اولیاء بعض لہذا کافر پر کافر کی شہادت بھی قابل قبول ہوگی اور ان کے درمیان میراث بھی جاری ہوگی ۔

**مسئلہ**

امام اعظم کے نزدیک عصبات کے علاوہ دوسرے رشتہ داروں مثلاً ماموں خالہ وغیرہ) کو بھی حق ولایت حاصل ہوتا ہے ۔ لیکن امام عظم کی مراد یہ ہے کہ یہ حق ان رشتہ داروں کو اس وقت حاصل ہوگا ۔ جب عصبات موجود نہ

Marfat.com

ہوں - امام اعظمؒ کے نزدیک یہ استحسان ہے -

امام محمدؒ سے مروی ہے کہ عصبات کے علاوہ دوسرے رشتہ داروں کو حق ولایت حاصل نہ ہوگا اور قیاس بھی یہی ہے - امام اعظمؒ سے بھی اسی قسم کی ایک روایت منقول ہے - امام ابو یوسفؒ کا قول اس بارے میں مضطرب ہے - زیادہ مشہور یہی بات ہے کہ ان کی رائے امام محمدؒ کے ساتھ ہے (مگر زیلعی کی روایت کے مطابق وہ امام اعظمؒ کے ساتھ ہیں) صاحبین کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ الانکاح الی العصبات نیز ولایت کا اثبات اس لئے ہوتا ہے کہ قرابت کی حفاظت کی جاسکے اور وہ غیر کفو کی طرف منسوب نہ ہونے پائے اور یہ حفاظت عصبات ہی کر سکتے ہیں - (لہذا اگر عصبات نہ ہوں تو سلطان کو حق ولایت ہوگا) -

امام اعظمؒ فرماتے ہیں ولایت کا مقصد یہ ہے کہ نظر شفقت موجود رہے اور نظر شفقت اسی وقت ممکن ہے جب کہ وہ ایسے لوگوں کو تفویض کیا جائے جو اتنے قریبی رشتہ دار ہوں کہ ان کی قرابت شفقت کا باعث ہو -

**مسئلہ**

قدوریؒ فرماتے ہیں کہ جس عورت کا کوئی ولی نہ ہو یعنی قرابت کے لحاظ سے اس کا کوئی ولی موجود نہ ہو تو اس کا ولی وہ مولیٰ ہے جس نے اسے آزاد کیا تھا اگر وہ اس کا نکاح کر دے تو جائز ہوگا کیونکہ یہ مولیٰ عصبات کے سلسلے کی آخری کڑی ہے -

**مسئلہ**

اور جب مذکورہ بالا اشخاص سے کوئی بھی موجود نہ ہو تو امام یا حاکم وقت اس کا ولی ہوگا - حضور صلی

Marfat.com

اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ السلطان ولی من لا ولی لہ جس کا کوئی ولی نہ ہو اس کا ولی سلطان ہوتا ہے۔

**مسئلہ**

جب ولی اقرب مثلاً باپ غیبت منقطعہ کی مسافت پر ہو تو ولی ابعد مثلاً دادا نکاح کرنے کا مجاز ہوگا۔ امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ وہ مجاز نہیں ہوگا کیونکہ ولی اقرب کی ولایت قائم و موجود ہے اور وہ اس کے اس استحقاق سے ثابت ہے کہ وہ اپنی قرابت کی حفاظت کرے (یعنی قرابت کو غیر کفو کی طرف منسوب ہونے سے بچائے) لہذا غیر حاضری سے اس کا حق ولایت باطل نہ ہوگا۔ اس لیے وہ ولی اقرب جہاں کہیں ہو اور لڑکی کا نکاح کر دے تو یہ نکاح جائز ہوگا اور ولی اقرب کے ہوتے ہوئے ولی ابعد کو ولایت کا کوئی حق نہیں۔

ہم امام زفرؒ کے جواب میں کہتے ہیں کہ حق ولایت نظر و شفقت کو ملحوظ رکھتے ہوئے دیا جاتا ہے اور یہ شفقت نہیں ہے کہ اختیارات اس شخص کو سونپ دیئے جائیں (جو اپنے وطن سے غائب ہے) جس کی رائے نفع بخش اور سود مند نہیں ہو سکتی (کیونکہ ولی اقرب دور دراز بیٹھے ہوئے لڑکی اور لڑکے والوں کے حالات کا کس طرح صحیح مطالعہ کر سکتا ہے) لہذا یہ اختیارات ولی ابعد کے سپرد کر دیے گئے - جو بہر حال سلطان پر تو مقدم حیثیت رکھتا ہے - اگر ولی اقرب فوت ہو جائے تو بھی ولی ابعد ہی کو حق ولایت حاصل ہوتا ہے اور اگر ولی اقرب جہاں کہیں ہو اس کا نکاح کر دے تو اس میں حرج ہے (کیونکہ موجودہ حالات سے وہ قطعاً نا آشنا ہے) اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی ہمارے نزدیک صورت یہی ہو گی کہ ولی

Marfat.com

ابعد اگرچہ قرابت کے لحاظ سے دور ہے مگر وہ آسانی سے تمام تدابیر کر سکتا ہے اور ولی اقرب میں اس کی صورت برعکس ہے لہذا دونوں کا رتبہ ایک ہی ٹھہرتا ہے - یعنی دونوں ایک ہی حیثیت کے ولی ہیں - لہذا اگر ان میں سے کوئی بھی نکاح کر دے تو نکاح نافذ ہوگا اور رد نہ کیا جائے گا -

اور غیبت منقطعہ یہ ہے کہ ولی اقرب ایسے شہر میں قیام پذیر ہو جہاں سال میں صرف ایک بار قافلے پہنچتے ہوں یہ رائے امام قدوریؒ کی ہے - مگر بعض فقہاء کا قول ہے کہ یہ ادنیٰ مدت سفر بھی ہو سکتی ہے کیونکہ سفر کی کوئی انتہاء نہیں ہوا کرتی ، اور یہ قول بعض متاخرین کا ہے (اس قول کے مطابق جب ولی اقرب تین روز کی مسافت پر ہو تو ولی ابعد نکاح کرا سکتا ہے) -

بعض فقہاء نے کہا ہے کہ غیبت منقطعہ کا یہ مطلب ہے کہ ولی اقرب ایسی حالت میں ہو کہ اس کی رائے کے معلوم ہونے تک کفو کے ہاتھ سے جاتے رہنے کا اندیشہ ہو اور یہی رائے فقہ اسلامی کے زیادہ قریب نظر آتی ہے کیونکہ ایسی حالت میں (جب نہ کفو کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو) ولی اقرب کی ولایت باقی رکھنے میں شفقت کا کوئی پہلو نظر نہیں آتا -

**مسئلہ**

اگر مجنونہ کے نکاح میں اس کا باپ اور (سابق شوہر سے) بیٹا دونوں موجود ہوں تو نکاح کی ولایت بیٹے کو حاصل ہوگی - یہ امام ابو یوسفؒ اور امام اعظمؒ کے نزدیک ہے - لیکن امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ولایت نکاح والد کو حاصل ہو گی - کیونکہ اس کی شفقت یقیناً بیٹے سے زیادہ ہوتی ہے -

شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ عصبہ ہونے کے لحاظ سے

Marfat.com

بیٹا (باپ سے) مقدم ہوتا ہے اور ولایت کی اساس تو عصبات ہی پر ہے اور یہی وجہ ہے کہ صرف شفقت کی زیادتی ہی معتبر نہیں ہوا کرتی۔ مثلاً لڑکی کا نانا دوسرے عصبات چچا وغیرہ سے زیادہ شفیق ہوتا ہے مگر دوسرے عصبات کی موجودگی میں اسے حق ولایت حاصل نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم!

## کفو کا بیان

نکاح میں کفاءت کو ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ألا لا یزوج النساء إلا الاولیاء ولا یزوجن إلا من الأکفاء یعنی عورتوں کے نکاح ان کے جائز ولی اور سرپرست ہی کریں اور ان کا نکاح صرف انہیں سے کیا جائے جو ان کے کفو ہوں کیونکہ رواج یہی ہے کہ ازدواجی مصالح اور فوائد کی تکمیل صرف اسی صورت میں ہؤا کرتی ہے جب کہ فریقین کفو ہوں۔ ایک شریف گھرانے کی لڑکی ہمیشہ اس بات سے انکار کر دیتی ہے کہ وہ کسی کمینہ اور خسیس شخص کی بیوی بنے۔ لہذا عورت کے نکاح میں کفو کا اعتبار ضروری ہے۔ البتہ مرد کے نکاح میں کفو کا لحاظ نہ بھی ہو تو کوئی حرج نہیں (کیونکہ عورت اگر غیر کفو میں نکاح کرے تو اس کی قوم کبھی اس سے خوش نہیں ہوتی لیکن مرد اگر کسی معمولی عورت کے ساتھ شادی کرے تو اس پر عموماً اعتراض نہیں کیا جاتا) کیونکہ خاوند بہرحال خاوند ہے لہذا بیوی کا کم درجہ ہونا بھی اس کے لیے باعث نفرت نہیں ہوگا۔

اگر کوئی عورت غیر کفو مرد کے ساتھ نکاح کرے تو ولی کو یہ حق حاصل ہے کہ دونوں میں تفریق کرا دے

Marfat.com

اور اپنے خاندان کی عزت و ناموس پر جو دھبہ لگ رہا ہے اس کا ازالہ کر سکے (یہ تفریق ولی خود نہیں کرے گا بلکہ عدالت سے کرائے گا) ۔

## مسئلہ

کفاءت میں سب سے پہلے نسب کا اعتبار کیا جاتا ہے کیونکہ نسب ہی انسان کے فخر کا باعث ہوا کرتا ہے ۔ پس قریش باہم ایک دوسرے کے کفو ہیں ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ۔ قریش بعضھم أکفاء لبعض یعنی قبیلہ' قریش کے بعض لوگ بعض کے کفو ہیں ۔ (لیکن اس لحاظ سے کہ معزز معزز کا کفو ہوگا) اور اسی طرح عرب قوم میں سے بعض بعض کے کفو ہیں ۔ ایک قبیلہ اپنے ہمسر دوسرے قبیلے کا کفو ہوگا اور آزاد کردہ غلاموں یا موالی میں سے (جو کہ عجمی ہیں) بعض بعض کے کفو ہیں ۔ اس کے علاوہ ایک شخص دوسرے شخص کا کفو ہوگا ۔

اور قریش میں اگر ایک دوسرے سے سبقت و فضیلت لے جائے تو اس کا لحاظ نہ ہوگا ۔ جیسا کہ فرمان نبوی مذکور ہوا ہے) خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادیوں کو حضرت عثمان رض کے نکاح میں دیا حالیکہ وہ عبد شمس میں سے تھے) ۔

امام محمد رح فرماتے ہیں کہ قریش میں بھی نسب ملحوظ ہوسکتا ہے بشرطیکہ وہ نسب مشہور ہو جیسا اہل بیت اور خاندان خلافت کے افراد ۔ صدیقی ۔ فاروقی ۔ عثمانی اور علوی وغیرھم) لیکن حقیقت یہ ہے کہ قریش میں باہمی تفاضل نہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام محمد رح نے یہ رائے احترام خلافت کو

Marfat.com

ملحوظ رکھتے ہوئے دی ہے تاکہ فتنے کا سدباب ہوجائے۔

بنو باہلہ عام اہل عرب کے کفو شمار نہ ہوں گے کیونکہ ان کی خساست اور کمینگی کی بنا پر تمام اہل عرب انہیں برا جانتے ہیں - جہاں تک موالی یا آزاد کردہ غلاموں کا تعلق ہے ان میں سے اگر کسی شخص کے باپ اور دادا مسلمان ہوں تو وہ دوسرے ان مسلمانوں کا کفو ہوگا جن کے ہاں کئی پشتوں سے اسلام ہے یعنی اس مولیٰ کا کفو ہوگا جو کئی پشتوں سے مسلمان ہو -

**مسئلہ**

اور جو شخص خود اسلام لایا یا اس کا صرف باپ ہی مسلمان ہے تو وہ ایسے شخص کا کفو نہ ہوگا جس کے باپ دادا مسلمان ہوں کیونکہ نسب باپ اور دادا دونوں ہی سے تکمیل پذیر ہوتا ہے -

امام ابو یوسفؒ جیسا کہ ان کا موقف ہے کسی شخص کی تعریف میں اس کے نام کے ساتھ باپ کا نام ہی ذکر کرنا کافی خیال کرتے ہیں - (لہذا ان کے نزدیک وہ کفو ہو سکتا ہے) اور جو شخص خود مشرف بہ اسلام ہوا وہ ہرگز اس شخص کا کفو نہ ہوگا جس کا باپ مسلمان ہو کیوں کہ آزاد کردہ غلاموں میں باعث تفاخر تو اسلام ہی ہے -

**مسئلہ**

نسب کی طرح حریت اور آزادی کو بھی کفاءۃ میں اسی طرح ملحوظ رکھا جائے گا - (مثلاً جو خود آزاد ہے وہ اس شخص کا کفو نہ ہوگا جس کا باپ بھی آزاد ہو وغیرہ

Marfat.com

ذلك) اور اس میں بھی نعمت اسلام سے مشرف ہونے کا تمام صورتوں میں لحاظ ہوگا کیوں کہ غلامی کفر کی نشانی ہے اور اس میں ذلت و رسوائی کے معنی پائے جاتے ہیں - لہذا کفاءۃ میں اس کو پیش نظر رکھا جائے گا -

امام محمدؒ جامع الصغیر میں فرماتے ہیں کہ کفاءۃ میں دیانت کا اعتبار بھی کیا جائے گا (حتٰی کہ ایک فاسق مرد نیک عورت کا کفو شمار نہ ہوگا) امام اعظمؒ اور امام ابو یوسفؒ سے بھی یہی منقول ہے اور روایات صحیحہ میں اس کو معتبر مانا گیا ہے کیوں کہ سیرت و کردار بھی قابل فخر چیزوں میں سے ہیں اور عورت کو جب اس کے خاوند کے فسق و فجور کی عار دلائی جاتی ہے تو وہ اس عار سے کہیں بڑھ کر ہے جب کہ اسے ادنٰی نسب کی عار دلائی جائے -

امام محمدؒ سے یہ قول بھی منقول ہے کہ دیانت کا لحاظ کفاءۃ میں ضروری نہیں ہے کیوں کہ اس کا تعلق امور آخرت سے ہے لہذا دنیوی احکام کا انحصار اس پر نہ ہوگا - البتہ جب مرد کی حالت ایسی ہو کہ لوگ اسے تھپڑ مارتے ہوں - یا اس کا تمسخر اڑاتے ہوں یا وہ نشہ میں مدہوش بازار میں نکل جاتا ہو اور اور بچے اس کا تماشا بنا لیتے ہوں تو وہ کفو نہ ہوگا کیوں کہ ایسی صورت میں اس کا شمار ذلیل اور رسوا لوگوں میں ہوتا ہے -

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ کفاءۃ میں مالی حیثیت کا اعتبار بھی کیا جائے گا اور وہ صرف اس قدر ہے کہ مرد نان نفقہ اور مہر کی ادائیگی کے قابل ہو (یعنی اس کے پاس اتنی

Marfat.com

رقم موجود ہو کہ فوری طور پر مہر ادا کر سکے لیکن نفقہ کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے بعض نے کہا کہ ایک ماہ کا خرچ ہو بعض نے چھ ماہ کی مدت مقرر کی ہے۔ شمس الائمہ نے ایک سال کا خرچ تجویز کیا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ اپنے معاش اور پیشہ کے لحاظ سے اس کا کفیل ہو سکے) اور ظاہر روایت میں اسی کو معتبر مانا گیا ہے۔ حتیٰ کہ اگر مرد مہر و نفقہ دونوں کا مالک نہ ہو یا ان میں سے کسی ایک پر قادر نہ ہو۔ تو وہ عورت کا کفو نہ ہوگا کیوں کہ مہر وظیفۂ زوجیت کا بدل ہوتا ہے لہذا اس کو پورا کرنے کی استطاعت ضروری ہے اور جہاں تک نفقہ کا تعلق ہے نفقہ ہی سے ازدواجی زندگی کا قیام و دوام ہے اور مہر سے مراد وہ مقدار ہے جو لوگ عموماً فوری طور پر ادا کیا کرتے ہیں کیوں کہ مہر معجل کے علاوہ جو کچھ ہوتا ہے وہ مؤجل اور وعدہ ہؤا کرتا ہے۔

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ مرد کو نفقہ پر قادر ہونا چاہیے۔ خواہ مہر پر نہ بھی ہو۔ کیوں کہ مہر میں تو سہولت بھی دی جا سکتی ہے۔ مرد کو مہر پر قادر ہی شمار کیا جاتا ہے جب کہ اس کے والدین متمول ہوں (ہاں باپ کی تونگری سے مہر کی ادائیگی تو متوقع ہوسکتی ہے کہ ان سے قرض لے کر ادا کر دے گا مگر نفقہ کے روز ادھار ملنے کی توقع عبث ہے) چنانچہ کفاءۃ میں جہاں تک تو نگری کا لحاظ ہے وہ امام اعظمؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہے حتیٰ کہ ان کے نزدیک ایک متمول بیوی کا کفو وہ شخص نہیں ہوگا جو صرف مہر و نفقہ پر ہی قادر ہو، کیوں کہ لوگ تونگری کو بھی وجہ تفاخر خیال

Marfat.com

کرتے ہیں اور افلاس اور تنگ دستی کو عار سمجھتے ہیں -

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ تونگری کا اعتبار نہ ہوگا کیوں کہ اس کی بے ثباتی ثابت ہے اور مال و دولت آنی جانی چیز ہے -

کفاءۃ میں حرفہ یا پیشہ کو بھی ملحوظ رکھا جائے گا - یہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہے اور امام اعظمؒ سے اس مسئلے میں دو روایتیں منقول ہیں - نوادر میں ابو یوسفؒ سے روایت کیا گیا ہے کہ اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا - البتہ ایسی صورت نہ ہو کہ وہ شخص حجام یا جولاہا یا چمڑا رنگنے والا ہو اور اس کا لحاظ اس لیے ہوگا کہ لوگ صنعت و پیشہ کو بھی شرف و فخر کی چیز گردانتے ہیں اور پیشہ کے حقیر و ذلیل ہونے کو عار خیال کرتے ہیں - دوسرے قول یعنی کفاءۃ میں پیشہ اور حرفہ کا لحاظ ضروری نہیں " کی دلیل یہ ہے کہ پیشہ لازماً دائمی نہیں ہوا کرتا کیوں کہ ایک معمولی پیشے کو چھوڑ کر ایک اعلیٰ درجے کا پیشہ اختیار کیا جا سکتا ہے (لیکن یہ مناسب نہیں کیوں کہ ان چیزوں کا خیال تو عقد کے وقت کیا جاتا ہے نہ کہ بعد میں) -

**مسئلہ**

اگر کوئی عورت اپنا نکاح خود کرے اور اپنے مہر مثل سے کچھ کم مہر قبول کرے تو امام اعظمؒ کے نزدیک اس کے ولی اور سرپرست کو جب تک کہ اس کا خاوند مہر مثل کے مطابق مہر پورا کر دے یا اسے اپنے سے جدا کر دے اعتراض کرنے کا حق حاصل ہوگا - صاحبینؒ

کہتے ہیں کہ سرپرستوں کو اعتراض کرنے کا حق حاصل نہ ہوگا (سوال یہ ہے کہ جب امام محمدؒ کے نزدیک ولی کے بغیر نکاح درست ہی نہیں ہوتا تو یہ صورت کیسے متصور ہو سکتی ہے ؟ (صاحب ہدایہ فرماتے ہیں) مسئلہ کی یہ صورت امام محمدؒ کے اس قول کے مطابق صحیح ہے کہ نکاح ولی کی اجازت کے بغیر درست ہے - امام محمدؒ نے اسی قول کی طرف رجوع کر لیا تھا (کہ ولی کی اجازت کے بغیر بھی نکاح جائز ہو سکتا ہے) یہی روایت صحیح ہے اور یہ مسئلہ اس (رجوع) پر شاہد ہے - (ورنہ اگر امام محمد کا رجوع تسلیم نہ کیا جائے تو یہ صورت صحیح نہیں ہو سکتی) -

صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ دس درہم سے جو بھی زائد ہو وہ عورت کا حق ہے اور جو شخص خود اپنا حق چھوڑ دے اس پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے جیسا کہ مہر مقرر کرنے کے بعد بھی کم کیا جا سکتا ہے - ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ سرپرستوں کے لیے گرانی مہر سرمایۂ افتخار ہوتی ہے اور مہر کی کمی باعثِ ننگ و عار ہؤا کرتی ہے تو یہ کفاءۃ کے مشابہ ہوگیا (یعنی جس طرح کم درجہ کے کفو میں سرپرستوں کو اعتراض کرنے کا حق ہے اسی طرح کم مہر میں بھی ہوگا) البتہ مہر مقرر کرنے کے بعد اگر معاف کر دیا جائے تو اس کی صورت قطعاً جداگانہ ہے کیونکہ اس سے عار محسوس کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا (اس لیے کہ سرپرستوں کو مہر وصول کرنے سے عموماً سروکار نہیں ہؤا کرتا اور مہر کی معافی کو مروت و شرافت شمار کیا جاتا ہے) -

Marfat.com

**مسئلہ**

اگر باپ اپنی صغیرہ بیٹی کا نکاح کرے اور اس کا مہر ، مہر مثل سے کم مقرر کرے یا اپنے صغیر بیٹے کا نکاح کرے اور اس کی زوجہ کا مہر ، مہر مثل سے زیادہ مقرر کرے تو باپ کا یہ تصرف دونوں کے حق میں جائز ہوگا - البتہ باپ اور دادا کے علاوہ کسی دوسرے ولی کے لیے اس قسم کی کمی بیشی جائز نہ ہوگی - یہ امام اعظمؒ کی رائے ہے - صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ کمی بیشی کرنا کسی کے لیے بھی جائز نہیں - صرف اتنی مقدار تک کمی بیشی روا ہے جتنا کہ لوگ اپنے اندازے میں خسارہ برداشت کر لیتے ہیں (یعنی چند روپوں کی کمی بیشی ہو تو کوئی بات نہیں - اگر صراحۃً کمی بیشی کی جائے جس سے ایک فریق کو خسارہ ہی خسارہ ہو تو پھر جائز نہیں) اس کا مطلب یہ ہے کہ صاحبینؒ کے نزدیک عقد ہی جائز نہ ہوگا کیونکہ ولایت میں نظر شفقت لازمی ہے - بس شفقت کی عدم موجودگی میں عقد باطل ہوگا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ لڑکی کے مہر مثل میں کمی یا لڑکے کی زوجہ کے مہر میں زیادتی کرنا کبھی شفقت نہیں ہوا کرتا - جیسا کہ صغیر کے مال کی فروختگی کی صورت میں باپ ایسی کمی بیشی کا مجاز نہیں (یعنی والد کو اجازت نہیں ہے کہ صغیر کا مال اصل سے کم قیمت پر فروخت کرے یا اصل قیمت سے زیادہ پر خریدے) -

امام اعظمؒ کی دلیل یہ ہے کہ نکاح کا جواز نظر شفقت کی بنا پر ہے اور وہ نزدیک ترین رشتہ داری ہے اور نکاح کے اغراض و مقاصد محض مہر نہیں بلکہ اس سے کہیں بالاتر ہوا کرتے ہیں اور جہاں تک صغیر کے مال میں تصرف کا

تعلق ہے ایسا تصرف صرف مال تک محدود رہےگا اور باپ دادا کے علاوہ دوسرے سرپرست بدین وجہ تصرف کے مجاز نہیں کیونکہ ان میں اتنا نزدیکی رشتہ موجود نہیں (لہذا ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ باپ دادا کے علاوہ کوئی ولی مہر میں کمی بیشی نہیں کر سکتا۔

**مسئلہ**

اگر کسی شخص نے اپنی بیٹی کا نکاح ، جب کہ وہ نابالغہ ہی تھی کسی غلام کے ساتھ کر دیا یا اپنے بیٹے کا نکاح جب کہ وہ نابالغ ہی تھا کسی باندی سے کر دیا تو یہ بھی فقط امام اعظمؒ کے نزیک جائز ہے ۔ کیونکہ کفاءۃ کو نظر انداز کرنے میں جو مصلحت ہے وہ کفاءۃ سے بڑھ کر ہے ۔ صاحبین کے نزدیک کفو نہ ہونے میں صریح طور پر ضرر رسانی ہے لہذا جائز نہ ہوگا۔ واللہ أعلم ۔

## نکاح میں وکالت کا بیان

**مسئلہ**

ایک چچاراد بھائی اپنی چچازاد بہن کو جو نابالغہ ہو اپنے نکاح میں لا سکتا ہے (بشرطیکہ وہی جائز ولی ہو) امام زفرؒ جواز کے قائل نہیں ہیں (نیز یہ ضروری نہیں کہ چچازاد بھائی ہی ہو ہر ولی جو فریقین کی طرف سے مجاز ہو ایسا نکاح کر سکتا ہے خواہ خود اپنے سے کرے یا دوسرے سے) ۔

**مسئلہ**

اگر کوئی عورت کسی شخص کو یہ اجازت دے دے کہ وہ اس سے خود نکاح کر لے اور اس شخص نے دو

Marfat.com

گواہوں کی موجودگی میں اس سے نکاح کر لیا تو جائز ہوگا۔ امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک جائز نہیں۔ ان دونوں کی دلیل یہ ہے کہ ایک ہی شخص مملک اور متملک (ملکیت میں دینے والا اور ملکیت میں لینے والا) نہیں بن سکتا جیسا کہ خرید و فروخت میں ایک ہی شخص خریدار اور فروخت کنندہ کی طرف سے وکیل نہیں بن سکتا۔ البتہ امام شافعیؒ اتنا تسلیم کرتے ہیں کہ اگر وہ شخص اس عورت کا ولی ہے تو ضرورت کی بنا پر نکاح منعقد ہو جائے گا کیونکہ اس کا ولی صرف وہی شخص ہے مگر وکیل کی صورت میں ضرورت لازم نہیں آتی۔ لہذا وکیل سے نکاح منعقد نہ ہوگا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ نکاح میں وکیل ایک سفیر اور لفت وشنید کرانے والے شخص کی حیثیت سے خدمات انجام دیتا ہے اور ایجاب و قبول یعنی نکاح کی ذمہ داریاں ایک سفیر محض پر اثر انداز نہیں ہوتیں اور نہ ہی یہ حقوق یعنی ایجاب اور قبول کے اس کو حاصل ہوتے ہیں۔ لیکن بیع کی صورت اس سے قطعاً مختلف ہے کیونکہ وہاں وہ فروخت کو منعقد کرتا ہے حتیٰ کہ وہ خرید و فروخت کے حقوق کا مالک ہوتا ہے اور جب نکاح میں وکیل دو طرفہ مختار ہو تو اس کا یہ کہنا ''زوجت'' میں نے نکاح کیا۔ ایجاب و قبول دونوں کو شامل ہے۔ وہاں قبول کی الگ حاجت نہیں ہوتی۔

## مسئلہ

اگر کوئی شخص (فضولی) غلام اور باندی کا نکاح ان کے مولیٰ کی اجازت لیے بغیر کر دے تو وہ موقوف متصور ہوگا۔ اگر مولیٰ اجازت دے دے تو نکاح جائز ہو

Marfat.com

جائے گا اور اگر مسترد کر دے تو باطل ہو جائے گا۔

اسی طرح اگر کوئی مرد کسی عورت سے بغیر اس کی رضا حاصل کئے نکاح کرے تو اس کی بھی یہی صورت ہوگی۔ یعنی نکاح موقوف رہے گا لیکن یہ جواز ہمارے علماء کے نزدیک ہے کیونکہ ہر وہ عقد جو فضولی انجام دے اور اس کی اجازت دینے والا کوئی شخص موجود ہو تو اس کی اجازت پر موقوف منعقد ہوگا (یعنی اگر اجازت و رضا حاصل ہو گئی ہو تو نکاح جائز ہوگا ورنہ باطل قرار دیا جائے گا)۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ فضولی کے تمام تصرفات باطل شمار ہوتے ہیں کیونکہ نکاح کا مقصد اس کے امور کا استحکام ہوتا ہے اور ایک فضولی ان امور کو مستحکم کرنے کا مجاز نہیں ہوتا لہذا نکاح باطل ہوگا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ اول تو ایجاب و قبول ان اشخاص کی طرف سے ہؤا ہے جو اس کے اہل ہیں یعنی وہ عاقل و بالغ ہیں۔ دوسرے ان لوگوں پر ہوا ہے جو محل نکاح ہیں تیسرے اس نکاح کے منعقد کرنے میں ظاہری طور پر نقصان کا کوئی پہلو نظر نہیں آتا۔ لہذا نکاح تو منعقد ہوجائے گا لیکن موقوف رہے گا حتیٰ کہ اگر اس میں صاحب معاملہ مصلحت دیکھے تو اس کو نافذ کر دے۔ کسی عقد کے امور کا نفاذ عقد کے بعد ہی ہؤا کرتا ہے (یعنی کوئی شخص اگر کسی کا مال خیار کی شرط پر فروخت کر دے تو مدت یا عرصہ گزرنے پر ہی وہ فروخت صحیح شمار ہوگی اور اگر وہ خریدار کو پسند ہی نہ آئے اور وہ انکار کر دے تو فروختگی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا)۔

Marfat.com

مسئلہ :۔ اگر کوئی شخص کہے۔ اے لوگو! گواہ رہو۔ میں نے فلاں عورت سے نکاح کر لیا ہے۔ اس عورت کو یہ خبر پہنچی اور اس نے اجازت بھی دے دی تو بھی نکاح باطل ہوگا۔ کیونکہ اس ایجاب و قبول میں اتحاد مجلس نہیں)۔

اور اگر کوئی شخص یہ کہے اے لوگو! گواہ رہو میں نے اس عورت کو اس شخص کے نکاح میں دے دیا اس عورت کو خبر پہنچی اور اس نے رضامندی ظاہر کی تو نکاح جائز ہوگا۔ نیز مسئلہ کی صورت تب بھی یہی ہوگی جب کہ عورت ایسے الفاظ کہے۔ (یعنی گواہ رہو میں نے اپنے آپ کو فلاں شخص کے نکاح میں دیا اور ایک فضولی نے اس کی طرف سے قبول کر لیا تو اس شخص کی اجازت سے جائز ہوگا۔ اگر فضولی نے قبول نہ کیا تو نافذ نہ ہوگا) یہ جواز امام اعظمؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہے۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر عورت نے اپنے آپ کو کسی شخص کے نکاح میں دیا اور وہ غائب تھا لیکن جب اسے خبر پہنچی تو اس نے رضامندی کا اظہار کیا تو نکاح جائز ہوگا۔

اس تمام بات کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک ہی شخص نہ تو دونوں طرف سے فضولی ہو سکتا ہے اور نہ یہ کہ ایک طرف سے فضولی ہو اور ایک طرف سے اصل۔ یہ رائے طرفینؒ کی ہے جس سے امام ابو یوسفؒ کا اختلاف مروی ہے۔

مسئلہ :۔ اگر عقد کو دو فضولی انجام دیں یا ایک طرف فضولی ہو اور ایک طرف اصیل ہو۔ تو سب کے نزدیک نکاح جائز ہوگا۔ امام ابو یوسفؒ

فرماتے ہیں کہ اگر تو یہ شخص دونوں طرف سے مامور ہو تو نکاح نافذ ہوگا اور اگر فضولی ہو تو موقوف ہوگا لہذا اس نکاح کی صورت اس خلع، طلاق اور اعتاق کی سی ہوگی جسے مال سے مشروط کیا گیا ہو (مثلاً شوہر کہے کہ میں نے اتنی رقم کے عوض اپنی عورت سے خلع کیا یا اتنی رقم کی ادائیگی پر طلاق یا ملک کہے کہ غلام اتنی رقم ادا کرے تو میں نے آزاد کیا تو یہ موقوف ہوگا۔ خبر پہنچنے پر اگر دوسرا فریق رضامندی کا اظہار کرے تو خلع، طلاق اور اعتاق واقع ہوگا ورنہ نہیں)

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ موجود شخص عقد کا ایک حصہ ہے کیونکہ وہ خود حاضر ہے لہذا حاضر ہونے کے اعتبار سے عقد کا ایک حصہ ہوتا ہے اور اسی طرح وہ شخص جو غائب ہے عقد کا ایک حصہ ہے اور عقد کا یہ حصہ آخر مجلس تک موقوف نہیں ہو سکتا۔ لہذا باطل ہوگا جیسا کہ فروختگی مال کی صورت میں ہوتا ہے (مثلاً بائع کہے کہ میں نے اپنا غلام فلاں شخص کے ہاتھ بیچ دیا مگر مشتری کی طرف سے کوئی بھی قبول نہ کرے یا کوئی شخص کہے کہ میں نے فلاں کا غلام فلاں شخص کے ہاتھ فروخت کر دیا مگر بائع اور مشتری کی طرف سے کوئی بھی قبول نہ کرے تو بیع منعقد نہیں ہوگی) لیکن دونوں طرف سے مامور شخص کی حیثیت کچھ مختلف ہے کیونکہ وہ عاقدین میں سلسلہ جنبانی کرنے والا ہوتا ہے البتہ اگر دو فضولیوں کے درمیان طے پائے تو عقد مکمل متصور ہوگا اور یہی صورت خلع، طلاق اور اعتاق کی ہے کیونکہ مرد اپنے حقوق ہی میں تصرف کر رہا ہے حتیٰ کہ یہ لازم ہو جاتا ہے (اگر مرد اپنے

فعل پر نادم بھی ہو تو حق رجعت نہیں رکھتا لہذا اس سے عقد لوٹا ہو جائے گا۔

مسئلہ: اگر کسی شخص کسی وکیل سے یہ کہے کہ ایک عورت سے میرا نکاح کر دے لیکن وکیل نے ایک ہی عقد میں بیک وقت دو عورتوں سے نکاح کر دیا تو کسی ایک سے بھی نکاح نہ ہوگا۔ اس کے نافذ نہ ہونے کی وجہ یہی ہے کہ وہ تفویض کردہ اختیار کے خلاف ہے اور نہ ہی ان دونوں میں سے کسی ایک سے ہوگا کیونکہ صحت تعین کے ساتھ معلوم نہیں اور نہ ہی یہ معلوم ہے کہ ان میں سے پہلے کس کے ساتھ ہوا لہذا تفریق لازم آئے گی۔

مسئلہ: اگر کسی وکیل کو کوئی شخص یہ اختیار دے کہ وہ کسی عورت سے اس کی شادی کر دے اور وکیل نے اس کا نکاح کسی شخص کی باندی سے کر دیا تو امام اعظم کے نزدیک یہ نکاح جائز ہوگا وہ لفظ امرۃ کے مطلق ہونے کی وجہ جواز ٹھہراتے ہیں اور اس کو بھی ملحوظ رکھتے ہیں کہ وکیل نے اپنی باندی سے تو اس کا نکاح نہیں کیا تاکہ اس پر کوئی الزام عائد ہو۔

ابو یوسف اور محمد فرماتے ہیں کہ جائز نہ ہوگا بلکہ یہ اسی صورت میں جائز ہوگا کہ وہ اس کا نکاح کفو میں کرے (قاضی خان نے اس پر تبصرہ کیا ہے۔ اس مسئلہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے نزدیک کفاءت عورت کی طرف سے بھی معتبر ہے کیونکہ جو لفظ مطلق مستعمل ہو۔ اس سے معروف فرد ہی مراد لئے جائیں گے اور وہ اس کے ہمسر یعنی کفو سے نکاح کرنا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ عرف میں تو تمام عورتیں شامل ہیں یا پھر اس

Marfat.com

سے مراد عُرفِ عملی ہے لیکن اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے تب بھی اس عُرف سے عورت کا آزاد ہونا لازم نہیں آتا۔ نیز محمدؒ نے مبسوط میں وکالت کے باب میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس مسئلہ میں کفاءت کا لحاظ محض استحسان ہے۔ جو صاحبینؒ کے نزدیک ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ ان دونوں میں سے کوئی بھی اس بات سے عاجز نہیں کہ وُہ کسی نہ کسی جگہ اپنا نکاح کرے۔ لہٰذا اولیاء کا تعاوُن اسی لئے حاصل کیا گیا تھا کہ نکاح کفُو میں ہو جائے۔ واللہ اعلم

# مہر کا بیان

امام قدوری اپنی مختصر میں فرماتے ہیں کہ اگر نکاح میں مہر کا ذکر نہ بھی کیا جائے تو بھی نکاح منعقد ہو جائے گا کیونکہ نکاح کے لغوی معنی ملنے اور جوڑنے کے ہیں لہٰذا یہ زوجین کے ایجاب و قبول سے مکمل ہو جائے گا البتہ شریعت اسلامی میں مہر کا ادا کرنا واجب قرار دیا گیا ہے (باری تعالیٰ کا ارشاد ہے احل لکم ما وراء ذٰلکم ان تبتغوا باموالکم" یعنی تمہارے لئے جائز ہے کہ مذکورہ محرمات عورتوں کے علاوہ دُوسری عورتوں سے نکاح کر سکتے ہو بشرطیکہ تم ان کو اپنے مال سے یعنی ادائیگی مہر سے حاصل کرو) چنانچہ مہر کا مقرر کرنا عورت کی عزّت و احترام کے اظہار کے لئے ضروری ہے لیکن اگر اس کا ذکر نہ بھی کیا جائے تو بھی نکاح صحیح ہوگا۔ اس طرح نکاح تب بھی صحیح

Marfat.com

ہوگا جبکہ یہ شرط کی جائے کہ خاوند عورت کو مہر بالکل ادا نہ کرے گا اس کی وجہ اوپر مذکور ہو چکی ہے۔ البتہ امام مالکؒ کا اس میں اختلاف ہے (ان کے نزدیک مہر کا ذکر کئے بغیر نکاح جائز نہ ہوگا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ مہر شرعی طور پر ملکِ انتفاع کا معاوضہ ہے لہٰذا اگر یہ شرط کی جائے کہ یہ ادا نہ ہوگا تو یہ اس بیع کی طرح فاسد ہوگا جس میں خریدار کہے کہ وہ بغیر قیمت ادا کئے مال لے گا بہرکیف جمہور کے نزدیک مہر کا ذکر کئے بغیر نکاح صحیح ہوگا)

مسئلہ :۔ مہر کی کم از کم مقدار دس درہم ہے (امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ہر رقم بیع میں ثمن بن سکتی ہے وہ مہر بھی بن سکتی ہے اور مہر چونکہ عورت کا حق ہوتا ہے لہٰذا اس کا اندازہ کرنا (یعنی مہر کی مقدار معین کرنا) بھی اسی کا کام ہوگا (امام احمدؒ کا بھی یہی قول ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک کم از کم تین درہم ہے۔ کیونکہ نصاب سرقہ بھی ان کے نزدیک تین درہم ہی ہے)

ہماری دلیل وہ حدیث نبوی ہے جسے دار قطنی اور بیہقی نے روایت کیا ہے "ولا مهر أقل من عشرة" کہ عورت کے لئے کم از کم مہر دس درہم ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ شریعت نے جو اس کے لئے واجب کیا ہے کہ عورت کے شرف و احترام کا اظہار ہو لہٰذا اس کا اندازہ کم از کم اتنا ہونا چاہیئے جو موزوں اور مناسب ہو اور وہ دس درہم ہے جس کا استدلال نصاب سرقہ سے کیا گیا ہے (یعنی اگر کوئی شخص دس درہم یا زائد مالیت کی چوری کرے تو سزا کے طور پر اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا)

مسئلہ :۔ اگر دس درہم سے کم مہر مقرر کیا گیا تو عورت کو دس درہم ہی ملیں

گے۔ یہ ہمارے تینوں علماء کے نزدیک ہے۔ البتہ امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ عورت کو مہر مثل ملے گا کیونکہ ایسی رقم کو بطور مہر مقرر کرنا جو کہ مہر ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی گویا اس کے نہ مقرر کرنے کے برابر ہے (اور عدم تسمیہ کی صورت میں مہر مثل واجب ہوتا ہے)

ہماری دلیل یہ ہے کہ مہر کم مقرر کرنا شریعت کے مقرر کردہ حقوق کو تلف کرنا ہے اور وہ حق تلفی مہر کے دس درہم پورا ہو جانے سے رفع ہو جاتی ہے۔ اب رہا عورت کے حقوق کا تعلق تو وہ راضی ہی متصور ہو گی۔ کیونکہ وہ پہلے اس سے کم مہر پر بھی اپنی رضامندی ظاہر کر چکی ہے۔ دس درہم سے کم مہر کو عدم تسمیہ پر قیاس کرنا درست نہیں کیونکہ بعض اوقات عورت اپنے آپ کو بغیر کسی معاوضہ یعنی مہر کے بھی محض اپنی شرافت و مروت سے کام لیتے ہوئے شوہر کے حوالے کر دیتی ہے لیکن معمولی معاوضہ قبول کرنے پر راضی نہیں ہوتی۔

مسئلہ :۔ اگر شوہر مباشرت سے پہلے ہی عورت کو طلاق دے دے (اور اس نے مہر دس درہم سے کم مقرر کیا ہو) تو علمائے ثلاثہ کے نزدیک اس پر پانچ درہم کی ادائیگی واجب ہو گی۔ البتہ امام زفرؒ فرماتے ہیں۔ شوہر پر واجب ہے کہ اسے متعہ دے کر رخصت کرے جیسا کہ وہ اس صورت میں دیتا جب کہ مہر کا تعین ہی نہ ہوتا۔

مسئلہ :۔ اگر کوئی شخص دس یا زائد درہم مہر مقرر کرے خواہ وہ دخول کے بعد طلاق دے دے یا فوت ہو جائے اس پر پورا مقررہ مہر ادا کرنا واجب ہو گا

Marfat.com

کیونکہ رخصتی کی صورت میں عورت نے اپنے آپ کو شوہر کے حوالے کر دیا لہٰذا اس کا معاوضہ دینا واجب ہے نیز موت کی وجہ سے نکاح اپنی نہایت کو پہنچ جاتا ہے اور جب کوئی چیز اپنی انتہا کو پہنچ جائے تو اس کے اثرات ثابت اور لازم ہو اکرتے ہیں لہٰذا نکاح کے تمام واجبات اور احکام ثابت ہوں گے۔

مسئلہ: اگر کسی شخص نے مباشرت اور خلوت سے پہلے ایسی عورت کو جس کا مہر مقرر ہو چکا تھا طلاق دے دی تو اسے مقررہ مہر کا نصف ملے گا۔ کیونکہ ارشاد باری ہے۔ وَان طلقتموھن من قبل ان تمسوھن وقد فرضتم لھن فریضۃ فنصف ما فرضتم" یعنی اگر تم نے عورتوں کو چھونے سے پہلے طلاق دے دی اور تم ان کا مہر مقرر کر چکے ہو تو انہیں نصف مہر ادا کرنا ہوگا اور اس میں قیاس کا تضاد موجود ہے (یعنی چاہیئے تو یہ تھا کہ شوہر پر کچھ واجب نہ ہوتا کیونکہ اس نے عورت سے تمتع نہیں کیا۔ دوسری طرف قیاس یہ تھا کہ عورت کو پورا مہر ملنا چاہیئے کیونکہ اس نے تو بہرحال اپنے آپ کو شوہر کے سپرد کر دیا چونکہ دونوں رائیں میں اختلاف ہے لہٰذا دونوں پر عمل نہ ہوگا بلکہ نصِ قرآنی کو ملحوظ رکھا جائے گا) ایک صورت میں تو شوہر ملکیت انتفاع سے خود محروم ہوا ہے جیسا کہ کوئی خریدار فروخت کنندہ کے ہاں کی سپردگی کے باوجود اسے نہ لے تو اس پر قیمت کی ادائیگی واجب ہوگی) دوسری صورت میں وہ چیز جس پر عقد طے ہوا تھا اسے سالم طور پر لوٹا دیا گیا ہے لہٰذا نصِ شرعی کی طرف رجوع کیا جائے گا تاہم شرط یہ ہے

Marfat.com

کہ طلاق خلوت سے پہلے واقع ہو کیونکہ خلوت صحیحہ ہمارے نزدیک مباشرت کے مترادف ہے جیسا کہ انشاء اللہ ہم بیان کریں گے۔

مسئلہ :۔ اگر مرد نے کسی عورت سے نکاح کیا لیکن اس کا مہر مقرر نہ کیا یا نکاح ہی اس شرط پر کیا کہ عورت کو کچھ مہر نہ ملے گا تو ہر دو صورت میں مہر مثل کی مستحق ہوگی خواہ خاوند نے مباشرت کی ہو یا فوت ہو جائے (کیونکہ موت سے نکاح کا شتہ انجام پذیر ہو جاتا ہے اور کسی شے کے انجام تک پہنچنے سے احکام واجب ہو جاتے ہیں) (اگر عورت مر جائے تب بھی اس کے ورثاء کو مہر مثل ملے گا) امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ موت کی صورت میں (جب کہ قبل از مباشرت ہو) مرد پر کچھ واجب نہ ہوگا اور امام شافعیؒ کے اکثر رفقاء کی رائے بھی یہی ہے کہ مہر اسی صورت میں واجب ہوتا ہے جب کہ مرد مباشرت کرے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ مہر خاص عورت کا حق شرعی ہے۔ لہذا اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ شروع ہی میں اسے چھوڑ دے جیسا کہ اسے یہ حق حاصل ہے کہ بعد میں معاف کر دے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ مہر حق شرعی کے طور پر واجب ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے اور عورت کے اس حق کو ہم اسی صورت میں تسلیم کرتے ہیں جب کہ مہر باقی رہے (یعنی جب ایک بار مقرر کر دیا جائے) اب وہ مالک ہے کہ اسے وصول کرے یا بخوشی معاف کر دے لیکن شروع میں بالکل نفی نہیں کر سکتی۔

مسئلہ :۔ اگر (مہر مقرر کرنے کی صورت میں) شوہر مباشرت سے پہلے ہی

عورت کو طلاق دے دے تو عورت کو متعہ ملے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے " ومتعوھن علی الموسع قدرہٗ وعلی المقتر قدرہ متاعًا بالمعروف حقًا علی المحسنین"۔ اور ان عورتوں کو کچھ دے کر رخصت کرو۔ صاحب کشائش اپنی وسعت کے مطابق دے اور غریب اپنی بساط کے مطابق اور معروف جو کچھ بھی ہو دستور کے مطابق ہو۔ یہ ان کا شیوہ احسان کرنے کا ہے۔ ان پر ایسی عورتوں کا حق ہوتا ہے) چنانچہ اس فرمان کی روشنی میں متعوھن امر کے صیغہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ سلوک کرنا واجب ہے البتہ امام مالک رح کا اس میں اختلاف ہے (ان کے نزدیک یہ مستحب ہے۔ وہ لفظ محسنین سے اس کا استحباب ثابت کرتے ہیں لیکن حنفیہ کہتے ہیں متعوھن کلمۂ امر ہے لہٰذا کچھ سلوک کرنا واجب ہے اور محسنین کے معنی یہ ہیں کہ وہ لوگ واجب کی ادائیگی کے بعد بطور احسان کچھ زائد بھی دے دیتے ہیں۔

مسئلہ: متعہ سے مراد وہ تین کپڑے ہیں جو عورت عموماً پہنتی ہے۔ (عموماً پہننے سے مراد یہ ہے کہ اگر عورت کھدر پہنتی ہے تو کھدر دیا جائے اگر عمدہ سوتی پہنتی ہے تو عمدہ سوتی ملیں گے اور اگر ریشمی کپڑا پہننے کی عادی ہو تو ریشمی دیئے جائیں گے) اور وہ قمیص دوپٹہ اور چادر ہیں۔ ان تینوں کپڑوں کا اندازہ حضرت عائشہ رض اور ابن عباس رض سے منقول روایات سے ماخوذ ہے۔ قدوری کے قول "من کسوۃ مثلھا" سے معلوم ہوتا ہے کہ متعہ دینے میں عورت کی حیثیت ملحوظ رکھی جائے گی۔ امام کرخی رح کا بھی یہی

Marfat.com

قول ہے کہ متعۂ واجب میں عورت کی حیثیت ملحوظ ہوگی (اور متعۂ استحبابی میں مرد کی حالت کو مدِ نظر رکھیں گے) کیونکہ یہ متعہ واجب مہر مثل کا قائم مقام ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ مرد کی حیثیت کا لحاظ ہوگا کیونکہ نصِ صریح پر عمل اسی طرح ممکن ہے اور اللہ سبحانہٗ کا ارشاد ہے۔ "علی الموسع قدرہ وعلی المقتر قدرہٗ"۔ پھر یہ بھی ملحوظ رہے کہ یہ متعہ مہر مثل کے نصف سے زائد نہ ہو اور پانچ درہم سے کم نہ ہو۔ مبسوط میں یہی معروف صورت بیان ہوئی ہے (یعنی اگر عورت کی حیثیت ملحوظ ہو تو وہ مقدار مہر مثل کے نصف سے زائد نہ ہو اور اگر مرد کی غربت کا لحاظ ہو تو پانچ درہم سے کم نہ ہو کیونکہ اس سے کم جائز نہیں رہا یہ سوال کہ نصف سے زائد کیوں نہ ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ مہر مقررہ جس کی حیثیت مہر مثل سے بہر حال اعلیٰ ہے۔ جب طلاق قبل از دخول میں اس کا نصف دینے کا حکم ہے تو مہر مثل میں نصف سے زیادتی واجب نہ ہوگی)

مسئلہ:۔ اگر مرد نے کسی عورت سے نکاح کیا اور مہر کا کوئی مہر مقرر نہ کیا بعد میں انہوں نے باہمی رضامندی سے کوئی رقم مقرر کر لی تو عورت کو وہی رقم ملے گی خواہ مرد نے مباشرت کی ہو یا مر جائے اور اگر مباشرت سے پہلے اسے طلاق دے دی تو عورت صرف متعہ کی حقدار ہوگی۔ امام ابو یوسفؒ کے پہلے قول کے مطابق عورت کو اس نئے مقررہ مہر کا نصف ملے گا۔ اور یہی امام شافعیؒ کی رائے ہے۔ کیونکہ مہر مقرر ہو چکا ہے لہذا نصِ شرعی کے مطابق اسی کا نصف کیا جائے گا (کیونکہ فنصف ما فرضتم میں فی العقد اور بعد العقد کی تصریح نہیں)۔

Marfat.com

ہماری دلیل یہ ہے کہ مہر کو از سرِ نو مقرر کرنا گویا عقد سے واجب ہونے والے مہر مثل کا تعین ہے اور مہر مثل کا نصف نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اسی طرح مہر مثل کے قائم مقام یعنی نئے مقررہ مہر کا نصف بھی نہیں کیا جائے گا اور ارشادِ باری "فنصف ما فرضتم" سے عقد میں مقررہ مہر ہی مراد ہے، جو مطلق مذکور ہوا ہے اور مطلق سے ہمیشہ معروف و مانوس معنی مراد لئے جاتے ہیں لہٰذا اس سے وہی مہر مراد ہوگا جو لوگوں میں مشہور و معروف ہے۔

مسئلہ: صاحبِ قدوری فرماتے ہیں کہ اگر مرد عقد کے بعد مہر (مقرر) میں کچھ اضافہ کر دے تو اس زائد رقم کی ادائیگی اس پر واجب ہو گی۔ البتہ امام زفرؒ کے نزدیک اضافہ لازم نہیں ہے۔ اس مسئلہ کو "اشیائے فروخت اور ان کی قیمتوں میں زیادتی" کے باب میں ہم بیان کریں گے۔

جب اضافہ جائز ثابت ہو گیا تو دخول یا خلوتِ صحیحہ کے بعد طلاق دینے یا موت سے لازم ہو جائے گا مگر طلاق قبل الدخول سے اضافہ ساقط ہو جائے گا۔

امام ابو یوسفؒ کے پہلے قول کے مطابق اصل مہر کی طرح اضافے کی تنصیف بھی ہو گی کیونکہ طرفین کے نزدیک نصِ شرعی کے مطابق عقد میں مقررہ مہر کا نصف کیا جائے گا۔ لیکن ابو یوسفؒ کے نزدیک بعد میں مقرر کیا گیا مہر عقد میں مقرر کئے ہوئے مہر کے مترادف ہے جیسا کہ بیان ہوا ہے

مسئلہ: اگر عورت اپنے مہر میں کچھ تخفیف کر دے تو یہ تخفیف صحیح ہو گی کیونکہ مہر عورت کا حق شرعی ہے لیکن عورت حق تخفیف کی مالکہ اسی صورت

Marfat.com

میں ہوگی جبکہ سیز (کاح) باقی ہو۔ (ورنہ وہ ابتدائے نکاح میں اسے معاف نہیں کر سکتی)

مسئلہ :۔ جب تک کسی شوہر کو اپنی بیوی کے ساتھ تنہائی میسر نہ ہو اور وہاں کوئی حسی طبعی یا شرعی رکاوٹ بھی موجود نہ ہو جو اسے مباشرت سے منع کرے اور اس خلوت صحیحہ کے بعد وہ عورت کو طلاق دے دے تو عورت کو پورا مہر ملے گا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔ کہ اسے نصف ملے گا کیونکہ جس بات پر عقد ہوا تھا یعنی حقِ انتفاع، اس کی تکمیل صرف مباشرت سے ہو سکتی ہے لہذا اس کے بغیر پورا مہر لازم نہ ہوگا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ عورت نے محل انتفاع کو ایسی حالت میں پیش کر دیا جب کہ کوئی رکاوٹ موجود نہ تھی اور اس کی وہ ذمہ داری تھی۔ لہذا اس کا حق معاوضہ ثابت ہو جائے گا جیسا کہ بیع میں ہوا کرتا ہے (کہ اگر فروخت کنندہ خریدار کو مبیع دکھا دے اور کہے یہ مبیع ہے جب چاہو لے لو۔ کوئی مانع نہیں ہے تو اب خریدار پر قیمت کی ادائیگی واجب ہے)

مسئلہ :۔ اگر زوجین میں سے کوئی ایک بیمار ہو۔ یا فرضی روزہ سے ہو یا احرام کی حالت میں ہو۔ خواہ وہ فرضی حج یا نفلی حج یا عمرہ کا احرام ہو یا عورت حیض و نفاس کی حالت میں ہو تو خلوت صحیحہ نہیں ہوگی۔ حتیٰ کہ اگر اس خلوت کے بعد جس میں مندرجہ بالا رکاوٹیں لاحق ہیں۔ مرد عورت کو طلاق دے دے تو عورت کو نصف مہر ملے گا۔ کیونکہ یہ تمام امور مباشرت سے مانع ہیں۔ مرض سے مراد ایسی بیماری ہے جو مباشرت سے مانع ہو یا

Marfat.com

اس سے حضرت لاحق ہوتا ہو اور بعض نے کہا کہ مرد کا مرض شکستگی اور سستی سے خالی نہیں ہوتا (لہذا مرد کے حق میں مرض مطلقاً مانع ہے) تو اس کا اعتبار کیا جائے گا اور اسی طرح عورت کی تمام بیماریاں ملحوظ ہوں گی۔

جہاں تک روزہ کا تعلق ہے۔ اس سے مراد رمضان کا روزہ ہے کیونکہ اس (کے توڑنے) سے قضا اور کفارہ دونوں لازم آتے ہیں (بلکہ گناہ بھی ہوتا ہے) اسی طرح احرام کی حالت میں مباشرت کرنے سے ایک جانور کی قربانی دینا واجب ہوگا۔ نیز عبادتِ الٰہی میں فساد واقع ہوگا اور قضا لازم ہوگی۔ حیض میں طبعی اور شرعی دونوں رکاوٹیں موجود ہیں۔

اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک نفلی روزے سے ہو تو عورت کو پورا مہر ملے گا۔ کیونکہ منتقیٰ کی روایت کے مطابق بغیر عذر کے بھی نفلی روزے کا افطار مباح ہے (البتہ دوسری کتابوں میں درج ہے کہ بغیر عذر شرعی افطار جائز نہیں) لیکن مہر کے مسئلہ میں منتقیٰ کا قول ہی معتبر ہے۔

ایک روایت کے مطابق قضا اور نذر کے روزے بھی نفلی روزوں کے مترادف ہیں۔ کیونکہ (افطار سے) کفارہ لازم نہیں آتا لیکن بہرحال گناہ ضرور ہوتا ہے۔ پس جو شخص اس گناہ کو پیش نظر رکھے وہ اسے نفلی روزے کے حکم میں نہیں رکھتا اور جو صرف اس بات کو دیکھتا ہے کہ اس سے کفارہ لازم نہیں آتا تو وہ اسے نفلی روزے پر قیاس کرتا ہے)

نماز بھی روزے کی طرح ہے لہذا اس میں بھی فرض و نفل کا حکم روزے کے حکم کے مطابق ہے۔

Marfat.com

مسئلہ :۔ اگر کوئی مجبوب (مقطوع الذکر) اپنی عورت کے ساتھ خلوت میں رہے۔ پھر اسے طلاق دے دے تو عورت کو پورا مہر ملے گا۔ یہ صورت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہے۔ صاحبینؒ کی رائے یہ ہے کہ عورت کو نصف مہر دیا جائے گا کیونکہ مجبوب تو مریض سے بھی زیادہ عاجز ہے۔ اس کی صورت عنین (نامرد) سے جدا گانہ ہے کیونکہ حکم کا مدار تو سلامتی عضو پر ہے۔ امام اعظمؒ کی دلیل یہ ہے کہ عورت کا حق صرف اتنا تھا کہ وہ اپنے آپ کو پیش کر دے سو یہ وہ کر چکی ہے (لہذا وہ پورے مہر کی حق دار ہو گی)

مسئلہ :۔ امام محمدؒ جامع الصغیر میں فرماتے ہیں کہ ان تمام مندرجہ بالا مسائل میں احتیاط اور استحسان کے مدِ نظر عورت پر عدت واجب ہو گی (قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ عورت پر عدت واجب نہ ہو کیونکہ خلوت نہیں ہوئی تاکہ عورت کے حاملہ ہونے کا احتمال باقی نہ رہے اور عدت حقِ شرعی بھی ہے (کیونکہ خاوند اور بیوی کو اس کے ساقط کرنے کا اختیار نہیں) اور حقِ ولد بھی (کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلا یسقی ماءہ زرع غیرہ) لہذا عورت کا یہ قول کہ مرد نے اس سے مباشرت نہیں کی یا اسی طرح مرد کا کہنا کہ اس نے عورت سے مباشرت نہیں کی قبول نہ ہو گا (کیونکہ اس سے دوسرے کا حق ساقط ہوتا ہے لہذا احتیاطاً عدت واجب ہو گی) البتہ مہر کی صورت کچھ اور ہے (کیونکہ وہ خلوت فاسدہ سے واجب نہیں ہوتا) نیز مہر مال ہے لہذا اس کے واجب کرنے میں اس قدر احتیاط کی حاجت نہیں۔ امام قدوریؒ نے اپنی

Marfat.com

شرح میں بیان کیا ہے کہ اگر مانع شرعی ہو تو عدت واجب ہوگی (مانع شرعی جیسے صوم رمضان اور حیض وغیرہ) کیونکہ درحقیقت تو وہ مباشرت پر قادر تھا اگر مانع طبعی یا حقیقی ہو مثلاً مرض یا صغر سنی تو عدت واجب نہیں ہوگی کیونکہ اس صورت میں اسے فعل پر واقعی قدرت حاصل نہیں۔

مسئلہ :۔ امام قدوریؒ فرماتے ہیں کہ سوائے ایک مطلقہ کے تمام مطلقہ عورتوں کے لئے متعہ مستحب ہے جس کے لئے مستحب نہیں وہ ایسی مطلقہ ہے جسے مرد نے دخول سے پہلے طلاق دے دی مگر اس کا مہر مقرر تھا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ سوائے اس مطلقہ کے ہر مطلقہ عورت کے لئے متعہ واجب ہے (اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وللمطلقات متاع بالمعروف۔ لہذا اس آیت کے پیش نظر ہر مطلقہ کو متعہ دینا واجب ہے) البتہ ایسی عورت کو جسے طلاق قبل الدخول دی گئی ہو اور اس کا مہر بعد میں مقرر کیا ہو یا وہ عورت جس کا مہر بوقت نکاح مقرر کیا گیا ہو اور اسے شوہر نے قبل الدخول طلاق دے دی ہو کیونکہ اس صورت میں شوہر پر لازم ہے کہ وہ نصف مہر کے طور پر کچھ دے دے کیونکہ اس نے عورت کو فرقت سے موصوف کیا ہے تاہم اس صورت میں اس کو نصف مہر ملنے کے طور پر ملتا ہی ہے کیونکہ طلاق نے نکاح کو فسخ کر دیا ہے اور نصف مہر بھی بطور متعہ ہی دے رہے ہیں اب اگر متعہ بھی لازم قرار دیں تو متعہ متکرر ہو جائے گا) اور متعہ متکرر یعنی بار بار نہیں دیا جایا کرتا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ متعہ مہر مثل کے قائم مقام ہے جو ایسی عورت

کے لئے ہے جس نے بلا مہر اپنے آپ کو خاوند کے سپرد کر دیا۔ طلاق قبل الدخول سے چونکہ مہر مثل ساقط ہو گیا لہذا متعہ واجب ہوگا اور عقد سے بھی معاوضہ ثابت ہوتا ہے لہذا مہر مثل کے قائم مقام ہوگا (یعنی مہر مثل اصل ہے اور متعہ اس کا قائم مقام اور خلیفہ ہے اور یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ) نہ تو اصل کے ساتھ قائم مقام جمع ہو سکتا ہے۔ نہ اس کے بعض حصے کے ساتھ ہی لہذا مہر واجب ہونے کے ساتھ ساتھ متعہ واجب نہیں ہوگا اور جہاں تک امام شافعیؒ کا یہ اعتراض ہے کہ مرد نے عورت کو فرقت سے متوحش کیا ہے تو اس میں مرد عورت کو پریشان کرنے میں قصوروار نہیں (کیونکہ شریعت نے مرد کو حقِ طلاق عطا کیا ہے) لہذا اس پر تاوان نہیں ڈالا جائے گا تو متعہ محض از قسمِ احسان ہوگا (یعنی اگر مرد دے دے تو اس کا احسان شمار ہوگا ورنہ اس پر واجب نہیں ہے)

مسئلہ: اگر کوئی شخص اپنی بیٹی (یا بہن) کا نکاح کسی شخص کے ساتھ اس شرط پر کرے کہ وہ اپنی بیٹی یا بہن کا نکاح اس سے کر دے تاکہ ایک عقد دوسرے کا معاوضہ ٹھہرے (اور مہر مقرر نہ کیا جائے) تو دونوں عقد جائز تو ہوں گے لیکن ہر دو اشخاص کو مہر مثل ادا کرنا ہوگا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔ دونوں عقد باطل ہوں گے کیونکہ اس شخص نے عورت کے نصف کو مہر ٹھہرایا اور نصف کو محلِ نکاح قرار دیا حالانکہ ان دونوں میں اس سلسلہ میں کوئی قدرِ مشترک نہیں۔ لہذا ایجاب (جو رکنِ نکاح ہے) باطل قرار پائے گا۔

Marfat.com

ہماری دلیل یہ ہے کہ اس شخص نے مہر مسمّٰی اس چیز کو قرار دیا ہے جو مہر ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی لہٰذا عقد تو صحیح ہو گا لیکن مہر مثل واجب ہو گا جیسا کہ کوئی اگر خمر و خنزیر کو مہر مقرر کرے تو عقد ہو جاتا ہے مگر مہر مثل ادا کرنا پڑتا ہے) اور جب تک کوئی حق حاصل نہ ہو تسمیہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا (یعنی عورت کے لئے صحیح تسمیہ کی دو صورتیں کیسے مالکہ مانی جا سکتی ہے لہٰذا یہ شرط فاسد ہے ہی اور شرط کے فاسد ہونے سے نکاح باطل نہیں ہوتا)

**مسئلہ**:۔ اگر کسی آزاد مرد نے کسی عورت سے اس شرط پر نکاح کیا کہ وہ مہر کی بجائے ایک سال اس کی خدمت کرے گا یا اسے قرآن کریم کی تعلیم دے گا تو عورت کو مہر مثل ملے گا۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ عورت کو اس خدمت کے اندازے کے مطابق رقم دی جائے گی۔

**مسئلہ**:۔ اگر کوئی غلام اپنے مالک کی اجازت سے کسی عورت سے اس شرط پر نکاح کرے کہ وہ اس کی ایک سال خدمت کرے گا تو نکاح جائز ہو گا اور عورت کو خدمت لینے کا حق ہو گا۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مذکورہ دونوں صورتوں میں عورت کو حق حاصل ہے کہ قرآن کریم کی تعلیم یا ایک سال کی خدمت مہر کی صورت میں قبول کرے کیونکہ امام شافعیؒ کے نزدیک ہر وہ چیز جو قرہ معاوضہ کے طور پر ہو سکتی ہو اگر نکاح میں مشروط قرار دی جائے تو مہر بن

Marfat.com

جا سکتی ہے کیونکہ اس سے معاوضے کا حصول ثابت ہو جاتا ہے اور اس مسئلے کی نوعیت بھی وہی ہے جیسا کہ کوئی شخص کسی عورت سے اس شرط پر نکاح کرے کہ کوئی دوسرا آزاد شخص اس عورت کی خدمت انجام دے گا یا خود شوہر عورت کی بکریاں مقررہ عرصہ چرانے کا ذمہ لے۔

ہماری پہلی دلیل یہ ہے کہ اوّل تو شریعت کا تقاضا یہ ہے کہ عورتوں کو مال سے حاصل کیا جائے (ارشاد باری ہے "ان تبتغوا باموالکم"۔ اور قرآن کی تعلیم دنیا مال نہیں ہے۔ اسی طرح اصل شے سے نفع حاصل کرنا مال شمار نہ ہوگا (کیونکہ وہ مستقلاً مال نہیں ہوتا) جیسا کہ ایک آزاد آدمی خدمت کرے تو یہ خدمت کرنا مال شمار نہ ہوگا البتہ غلام کا خدمت کے عوض عقد کرنا مال سے حاصل کرنا شمار ہو سکتا ہے کیونکہ اس کا سر تسلیم واقعی اپنے مالک کے لئے خم ہوتا ہے اور وہ مال شمار ہوتا ہے لیکن ایک آزاد شخص کی خدمت کی یہ صورت نہیں ہوتی۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ آزاد شوہر کا خدمت کرنا بھی جائز نہیں۔ عورت کو نکاح کے بعد اس سے خدمت لینے کا حق حاصل نہیں ہوتا کیونکہ یہ زوجین کے صحیح مقام کے برعکس ہے (اس طرح زوج خادم اور زوجہ مخدومہ قرار پاتی ہے حالانکہ زوجہ کو چاہیئے کہ شوہر کی خدمت کرے) البتہ کسی دوسرے آزاد شخص کی اپنی رضامندی سے خدمت کرنے کی صورت کچھ اور ہے کیونکہ اس میں کوئی تناقض نہیں اور اسی طرح غلام کی خدمت بھی جائز ہے۔ اگر وہ اپنے مالک کے حکم اور اس کی اجازت سے

Marfat.com

کسی کی خدمت کرتا ہے تو وُہ درحقیقت اس کے مالک کی خدمت ہی شمار ہوگی۔ نیز بکریوں کا چرانا بھی عوض ہو سکتا ہے (کیونکہ یہ ایک مستقل خدمت ہے) اور ازدواجی امور کی ذمہ داریوں میں سے شمار ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اس میں بھی وجہ تناقض موجود نہیں۔ اگرچہ ایک روایت میں یہ ممنوع ہے) اس کے جواز کا استدلال حضرت شعیبؑ اور موسیٰؑ کے واقعہ مدین سے ہو سکتا ہے مگر اس شریعت پر عمل کرنا ہمارے لئے ضروری نہیں)

امام محمدؒ کے قول کے مطابق شوہر پر واجب ہے کہ وہ مقررہ خدمت کی تخمینی قیمت ادا کر دے کیونکہ مقررہ چیز یعنی خدمت اگرچہ مال شمار ہو سکتا ہے مگر شوہر اس کی ادائیگی سے بدیں وجہ قاصر ہے کہ ازدواجی امور میں تناقض کی صورت پیدا ہوتی ہے (یعنی شوہر بیوی کا خادم قرار پاتا ہے جو نامناسب ہے) لہٰذا اس میں قیمتِ خدمت اس طرح واجب ہوگی جیسا کہ کوئی شخص کسی دُوسرے کے غلام کو معاوضہ ٹھہرا کر نکاح کرے (اگر غلام کا مالک راضی نہ ہو تو نکاح کرنے والے کو غلام کی خدمت کی قیمت ادا کرنا واجب ہوگی)

امام اعظمؒ اور امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق مہر مثل لازم آئے گا۔ کیونکہ خدمتِ مال متصوّر نہیں ہوتی اور کسی حال میں بھی مہر نکاح حق خدمت سے ادا نہیں ہو سکتا پس اس مسئلہ کی نوعیّت وہی ہوگی جو خمر و خنزیر کے مہر نکاح قرار دینے کی صورت میں ہوتی ہے (یعنی ان کی ادائیگی شرعی طور پر ممنوع ہے۔ لہٰذا) مہر مثل واجب ہوگا اور یہ (یعنی وجوب مہر مثل)

Marfat.com

اس لئے ہے کہ خدمت کو نکاح میں مہر تسلیم کرنا محض لوگوں کی ضرورت کی بنا پر ہے۔ لہذا اگر نکاح میں (اس کے مال نہ ہونے کی بنا پر) اسے تسلیم نہ کیا جائے تو اس کا باقیمت ہونا ظاہر نہ ہوگا لہذا حکم مہر اپنی اصلی حالت پر برقرار رہے گا یعنی مہر مثل لازم آئے گا۔

مسئلہ :۔ اگر مرد نے ایک ہزار درہم پر عقد کیا اور عورت نے رقم کو وصول کر لیا۔ لیکن پھر شوہر کو یہ رقم ہبہ کر دی اور بعد ازاں شوہر نے اسے قبل الدخول طلاق دے دی تو شوہر کو حق ہوگا کہ وہ عورت سے مزید پانچ صد وصول کرے (کیونکہ عورت کو طلاق قبل دخول میں شرعی حق کے طور پر نصف مہر ملنا تھا اور شوہر پورا دے چکا ہے لیکن عورت نے مہر اسے ہبہ کر دیا ہے۔ لہذا اب شوہر کا پانچ سو عورت کے ذمے واجب رہا) کیونکہ ہبہ سے وہ سکے شوہر کو واپس نہیں پہنچے جو اس پر واجب ہوئے تھے۔ کیونکہ درہم و دینار بیع کو نافذ کرنے یا اس کے فسخ کرنے میں متعین نہیں ہوا کرتے (ہم کہیں گے۔ گویا عورت نے مہر والے درہم ہبہ نہیں کئے۔ کوئی اور کئے ہیں اگر سکوں کے علاوہ کوئی اور جانور یا اسباب ہوتا تو پھر عورت سے کوئی مطالبہ نہ تھا) اور مسئلہ کی نوعیت تب بھی یہی ہوگی۔ جب کہ مہر کیلی یا وزنی چیز ہو۔ اور جس کا شوہر نے ذمہ لیا ہو (فی الذمہ کا مطلب یہ ہے کہ اشارہ سے خصوصی طور پر معین نہ کرے کیونکہ اگر اس نے کیلی یا وزنی چیز اشارہ کر کے معین کر دی تو پھر عورت کے ہبہ کی صورت میں خاوند نصف لینے کا حق دار نہ ہوگا) اسلئے کہ

اس کا تعین نہیں ہوتا دشوہر عورت کو اس امر پر بھی مجبور نہیں کر سکتا کہ وہ بعینہٖ وہی چیز لوٹائے۔ کیونکہ درہم و دینار یا کیلی اور وزنی چیز کا قرض یا ہبہ ہوا کرتا)

**مسئلہ**:۔ اگر عورت نے ہزار درہم وصول نہیں کئے ہیں اور انکو پہلے ہی شوہر کو ہبہ کر دے۔ مرد نے طلاق قبل دخول دے دی تو زوجین میں سے کوئی ایک دوسرے سے کچھ بھی وصول نہ کرے گا۔ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ شوہر عورت سے نصف مہر کا مطالبہ کرے چنانچہ امام زفرؒ اسی کے قائل ہیں۔ کیونکہ مرد کا مہر عورت کے معاف کر دینے سے مکمل ادا ہو چکا ہے لہذا طلاق قبل دخول سے مرد کا نصف مہر جو اسے واپس لینے کا حق ہے وہ ساقط متصور نہ ہوگا اور اس میں استحسان یہ ہے کہ شوہر کو طلاق قبل دخول سے جو حق حاصل ہونا تھا وہ مل چکا ہے اور وہ نصف مہر کی ادائیگی سے برئیت ہے لہذا اس میں یہ چیز ملحوظ نہ ہوگی کہ شوہر کو اس کے مقصد یعنی نصف مہر سے برئیت مختلف سبب سے حاصل ہوئی ہے۔ (یعنی عورت کے ہبہ کر دینے سے مرد تو اپنے حق واجب سے بری ہو گیا اسی طرح اس حق سے بھی بری ہو گیا جو طلاق قبل دخول سے اسے حاصل ہونا تھا۔ یعنی عورت سے نصف لینا فرق صرف اتنا ہوا کہ نصف مہر اصل میں عورت واپس ادا کرتی مگر اب ہبہ سے خود بخود ادا ہو گیا۔ سبب خواہ کوئی ہو۔ جو کچھ مقصود تھا کہ مرد کو نصف واپس ملے وہ پورا ہو گیا)

**مسئلہ**:۔ اگر عورت نے پانچ سو وصول کر لئے۔ پھر ایک ہزار ہبہ کر

Marfat.com

دیئے۔ یعنی وصول کئے ہوئے بھی اور باقی رقم بھی پھر شوہر نے طلاق قبل دخول دے دی تو زوجین میں سے کوئی ایک بھی دوسرے کو کچھ ادا نہ کرے گا۔ یہ امام ابو حنیفہ کی رائے ہے صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ شوہر عورت کی موصولہ رقم کا نصف واپس لے سکے گا اور کل پر بعض کو قیاس کیا جائے گا یعنی اگر عورت نے مہر وصول کئے بغیر خاوند کو ہبہ کر دیا تو خاوند کو طلاق قبل دخول دینے سے اس سے کچھ لینے کا حق نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر عورت نے پورا مہر وصول کر لیا اور پھر شوہر کو ہبہ کر دیا تو اسے نصف مہر شوہر کو ادا کرنا ہوگا لہذا کل مہر کی ان دونوں صورتوں پر بعض مہر کا قیاس کیا جائے گا، صاحبینؒ کی دلیل یہ بھی ہے کہ بعض مہر کا ہبہ کرنا گویا کہ اصل میں کمی کرنا ہے لہذا یہ کمی اصل سے وابستہ سمجھی جائے گی زمذکورہ صورت میں گویا مہر ہی پانچ سو ہوگا اور اب مرد اڑھائی صد کا مطالبہ کرے گا۔

امام اعظمؒ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ شوہر کو اپنا مقصود حاصل ہو چکا ہے اور وہ یہ ہے کہ بلا عوض اس کا نصف مہر محفوظ و سلامت ہے۔ لہذا طلاق کی صورت میں اسے بیوی سے کچھ بھی وصول کرنے کا اختیار نہ ہوگا اور جہاں تک صاحبینؒ کے اس قول کا تعلق ہے کہ کمی اصل ہی سے وابستہ سمجھی جائے گی تو یہ نکاح کے سلسلے میں درست نہیں (مثلاً ایک شخص بیس درہم کے مہر پر ایک عورت سے نکاح کرتا ہے۔ عورت پندرہ درہم ہبہ کر دیتی ہے۔ لیکن اسے دخول سے پہلے طلاق مل جاتی ہے تو خاوند کو بہرحال دس درہم ادا کرنا ہوں گے۔ کیونکہ پانچ درہم پر نکاح از روئے قانون اسلامی

Marfat.com

ہو ہی نہیں سکتا لہذا نکاح کے سلسلے میں کمی اصل سے لاپستہ شمار نہ ہو گی۔ البتہ بیع میں ممکن ہے) ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کیا آپ دیکھتے نہیں کہ اگر شوہر کچھ اضافہ کر دے تو اس کو اصل کے ساتھ شمار نہیں کیا جاتا۔ حتیٰ کہ طلاق کی صورت میں اس کا نصف بھی نہیں کیا جاتا (مثلاً مرد نے پانچ صد روپے کے عوض میں عقد کیا۔ پھر پانچ صد کا اضافہ کر دیا مگر طلاق قبل الدخول ہو گئی تو اب عورت کو ساڑھے اڑھائی صد لے گی۔ یہی حال کمی کی صورت میں بھی ہو گا۔

مسئلہ:۔ اگر عورت نصف مہر سے کم رقم شوہر کو ہبہ کر دے اور بعد ازاں وصول کر لے۔ تو ابو حنیفہؒ کے نزدیک شوہر کو حق ہو گا کہ وہ پورے نصف مہر تک کی رقم عورت سے وصول کرے لیکن صاحبینؒ کی رائے یہ ہے کہ شوہر عورت کی مقبوضہ رقم کا نصف وصول کرے گا (مثلاً شوہر نے ایک ہزار روپے کے عوض نکاح کیا اور عورت نے نصف مہر سے کم رقم مثلاً دو سو روپے شوہر کو ہبہ کر دئے اور خاوند نے قبل دخول طلاق دے دی تو اب امام اعظمؒ کے نزدیک وہ نصف مہر تک وصول کرنے کے لئے ۳۰۰ روپے مزید وصول کرے گا اور صاحبینؒ کے نزدیک مقبوضہ رقم (یعنی ۲۰۰ روپے کا نصف (یعنی ۱۰۰ روپے عورت سے وصول کرے گا)

مسئلہ:۔ اگر کسی شخص نے عورت سے کچھ سامان بطور مہر ٹھہرا کر نکاح کیا تو عورت نے خواہ اس سامان کو قبضے میں لے لیا ہو یا نہ لیا ہو اور عورت نے وہ سامان شوہر کو ہبہ کر دے پھر شوہر عورت کو قبل دخول طلاق دے دے تو وہ عورت سے کچھ وصول کرنے کا مستحق نہ ہو گا۔

Marfat.com

قیاس کا تقاضا یہ ہے اور یہی امام زفرؒ کا قول بھی ہے کہ شوہر عورت سے سامان کی قیمت کا نصف وصول کرے کیونکہ قبلِ دخول ہی یہ لازم ہے کہ مقررہ مہر کا نصف واپس کیا جائے۔ جیسا کہ اس کا بیان پہلے گذر چکا ہے لیکن استحسان کی وجہ یہ ہے کہ طلاق دینے کی صورت میں شوہر کا حق فقط اتنا ہے کہ عورت کو دیئے گئے مال کا نصف عورت ہی کی طرف سے اس کو واپس محفوظ و سلامت مل جائے (عورت ہی کی طرف سے کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ اگر عورت کسی اور شخص کو ہبہ کر دے اور وہ شخص پھر اس کے شوہر کو ہبہ کر دے تو یہ عورت کی طرف سے شمار نہ ہوگا بلکہ شوہر کو حق حاصل ہوگا کہ وہ عورت سے نصف وصول کرے) اور وہ اسے مل چکا ہے اور یہی وجہ ہے کہ عورت کو یہ حق حاصل نہیں کہ اس سامان کی بجائے کوئی دوسری چیز واپس کرے بخلاف اس صورت کے کہ جب مہر درہم و دینار یا مکیلی و موزونی شے ہو یا عورت نے وہ سامان شوہر کے ہاتھ فروخت کر دیا ہو تو چونکہ شوہر کو یہ سامان ادا شدہ رقم کے معاوضہ میں پہنچا ہے لہٰذا ان دونوں صورتوں میں عورت نصف مہر کو دوسری صورت میں ادا کر سکتی ہے۔

مسئلہ :۔ اگر مرد نے عورت سے کسی حیوان یا غیر متعین سامان کو مہر مقرر کر کے نکاح کیا تو بھی یہی صورت ہوگی (یعنی مرد کوئی حیوان یا سامان دینے کا وعدہ کرے اور عورت مرد کو ہبہ کر دے اور وہ طلاق قبل دخول دے دے تو شوہر کچھ وصول کرنے کا حقدار نہ ہوگا) کیونکہ ہر مقررہ ہونے کے لحاظ سے ایک متعین شے ہوگی (یعنی ابتدائے عقد میں اگرچہ مرد نے غیر معین حیوان یا سامان

اپنے ذمّے لیا تھا مگر عورت کے ہبہ کرنے یا قبضہ کرکے واپس کرنے سے متعیّن ہوگیا) اور یہ (یعنی حیوان یا سامان کے غیر معیّن ہونے کی صورت میں بھی نکاح کا صحیح ہونا اور واپسی سے متعیّن ہو جانا) اس لئے ہے کہ نکاح میں شے مجہول بھی مہر ہونے کی متحمّل ہو سکتی ہے مگر جب اس کا تعیّن کر دیا جائے تو گویا اسے مہر مسمّٰی مان لیا گیا (مثلاً نکاح کے وقت مرد نے کہا کہ میں بطور عوض مہر ایک بیل دوں گا۔ اب اگرچہ بیل کی قیمت کا تعیّن نہیں کیا گیا مگر کم از کم جنس تو متعیّن ہے اور جہالتِ یسیر سلسلہ نکاح میں متحمل ہو سکتی ہے یعنی نکاح منعقد ہو جائے گا۔ جب شوہر اسے بیل دے گا تو یہی متعیّن ہو گا اور کہا جائے گا کہ مرد نے یہی بیل مقرّر کیا تھا۔ جب عورت بطور ہبہ یا وصول کر کے شوہر کو واپس کر دے تو پھر اس سے کچھ وصول نہ کیا جائے گا کیونکہ اس نے متعیّن چیز واپس کر دی اور مرد کو اپنا حق وصول ہو گیا)

مسئلہ :۔ اگر کوئی مرد کسی عورت سے ایک ہزار مہر ٹھہرا کر، اس کی پیش کردہ اس شرط پر نکاح کرے کہ نہ تو وہ اسے شہر سے کہیں باہر لے جائے گا اور نہ ہی اس سے ازدواجی تعلق کے ہوتے ہوئے کوئی دوسری عورت نکاح میں لائے گا۔ پس اگر مرد اس شرط کو پورا کرے تو عورت کو مہر مسمّٰی ملے گا کیونکہ یہ مقدار مہر ہونے کی صلاحیّت رکھتی ہے اور عورت بھی اس پر راضی ہے لیکن اگر مرد نے اس کے ہوتے ہوئے دوسری شادی کر لی یا اسے شہر سے باہر لے گیا تو عورت کو مہر مثل ملے گا (اگرچہ اس

کا مہر مثل ہزار سے زائد ہو کیونکہ عورت کا مہر ایسا مقرر ہوا ہے جس میں اس کا اپنا فائدہ ہے۔ لہٰذا اس فائدے کے حاصل نہ ہونے کی صورت میں عورت کی ایک ہزار پر رضامندی کالعدم مانی جائے گی اور اسے کامل مہر مثل ادا کیا جائے گا جیسا کہ عورت اپنے مہر مثل سے کم مہر مقررہ پر اس شرط پر راضی ہو جائے کہ اس سے عمدہ سلوک کیا جائے گا (یعنی کوئی مشقت والا کام اس سے نہ لیا جائے گا) یا اس مہر کے ساتھ ساتھ کچھ تحائف بھی دیئے جایا کریں گے (تو شرط پورا نہ کرنے کی صورت میں عورت کو مہر مثل ملے گا)

مسئلہ:۔ اگر مرد نے عورت سے اس شرط پر نکاح کیا کہ اگر وہ اس کے ساتھ اسی شہر میں قیام کرے گا تو اسے ایک ہزار دے گا اور اگر اسے باہر لے جائے گا تو دو ہزار دے گا۔ پس اگر وہ عورت کے پاس رہا تو اسے ایک ہزار ہی ملے گا اور اگر اسے باہر لے جائے گا تو عورت کو مہر مثل ملے گا بشرطیکہ مہر مثل دو ہزار سے زائد نہ ہو اور ایک ہزار سے کم نہ ہو۔

یہ رائے ابو حنیفہؒ کی ہے (کہ شرطِ اوّل جائز اور شرطِ ثانی فاسد ہے)۔

صاحبینؒ کہتے ہیں کہ دونوں شرطیں جائز اور درست ہیں، حتیٰ کہ اگر وہ عورت کے پاس رہا تو عورت ہزار لے گی اور اگر وہ اسے باہر لے گیا تو عورت دو ہزار پائے گی۔

امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ دونوں شرطیں ہی فاسد ہیں اور عورت کو ہر دو صورت میں مہر مثل ملے گا بشرطیکہ وہ ہزار سے کم اور دو ہزار سے

Marfat.com

زائد نہ ہو (مثلاً دو ہزار یا زائد مہر مثل ہو تو دو ہزار ملے گا۔ اگر ایک ہزار یا ہزار سے کم ہو تو ایک ہزار دیا جائے گا۔ اگر مہر مثل ہزار اور دو ہزار کے درمیان ہو تو اسی قدر ملے گا جتنا مہر مثل ہوگا) اس مسئلے کی دلیل "اجارات" کے بیان میں اس قول سے لی گئی ہے کہ کوئی شخص کسی درزی سے کہے۔ اگر تم (یہ کپڑا) آج ہی سی دو تو سالم درہم ادا کردوں گا اور اگر کل سی کر دو گے تو نصف درہم ملے گا۔ ہم انشاء اللہ تعالیٰ کتاب الاجارات میں اس کو وضاحت سے بیان کریں گے۔

مسئلہ :۔ اگر کوئی مرد کسی عورت سے اس شرط پر نکاح کرے کہ تمہیں مہر میں یہ غلام یا وہ غلام دوں گا اور ان غلاموں میں سے ایک ناقص ہو اور دوسرا ارفع۔ تو اگر عورت کا مہر مثل ناقص سے کم ہے تو اسے ناقص ہی دیا جائے گا اور اگر اس کا مہر مثل ارفع سے زیادہ ہے تو اسے ارفع دیا جائے گا لیکن اگر مہر مثل دونوں یعنی ناقص اور ارفع کے مابین ہے تو اسے مہر مثل ملے گا۔ یہ صورت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہے صاحبین فرماتے ہیں کہ عورت کو ان تمام صورتوں میں یعنی اس کا مہر مثل ناقص سے قلیل ہو یا ارفع سے زیادہ یا دونوں کے درمیان) ناقص غلام ہی ملے گا۔

مسئلہ :۔ اگر مرد نے عورت کو دخول سے پہلے طلاق دے دی تو عورت کو ان تمام صورتوں میں ناقص کی تخمینی نصف قیمت دی جائے گی۔ یہ سب کے نزدیک متفق علیہ ہے۔

صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ مہر مثل کی ضرورت اس وقت پیش

Marfat.com

آتی ہے جب کہ مہر مسمّٰی موجود نہ ہو لیکن جب ناقص کو مہر کی صورت میں پیش کرنا ممکن ہے اور قلیل چیز ہمیشہ یقینی ہوا کرتی ہے لہذا عورت کو ان تمام صورتوں میں قلیل چیز یعنی ناقص غلام دیا جائے گا اور اس مسئلے کی نوعیت وہی ہوگی جو مال سے مشروط خلع اور اعتاق کی ہوا کرتی ہے (یعنی اگر کوئی مرد اپنی زوجہ سے یہ کہے کہ میں اس غلام یا اس غلام پر تجھ سے خلع کرتا ہوں یا اس غلام پر یا اس غلام پر تجھے آزاد کرتا ہوں تو دونوں صورتوں میں اسے ناقص غلام دیا جائے گا)

امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اصل واجب شے تو مہر مثل ہے۔ کیونکہ وہی مناسب اور موزوں ہوا کرتا ہے۔ (کیونکہ ابو حنیفہؒ کے نزدیک کسی عورت سے انتفاع کا اصل معاوضہ اس کا مہر مثل ہی ہے لہذا بلا ضرورت اسے ترک کرنا مناسب نہیں) اور اس سے روگردانی صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب کہ مہر کو صفتِ تعیّن سے ذکر کیا جائے لیکن عدم تعیّن کی بنا پر یہاں مسئلے کی صورت بدل گئی اور وہ خلع اور اعتاق کی مذکورہ صورتوں کے مطابق نہیں رہا کیونکہ خلع اور اعتاق تو بغیر کچھ لئے دیئے بھی ممکن ہے (یعنی مرد بغیر کسی معاوضہ کے عورت کی گلو خلاصی کر سکتا ہے اور غلام کو آزادی دے سکتا ہے لیکن مسئلہ مہر میں یہ ممکن نہیں) رہا مہر مثل ہی کا مناسب و موزوں ہونا تو اس کی دلیل یہ ہے کہ) مہر مثل جب ارفع سے زیادہ ہے اور عورت مہر مثل میں اس کمی پر راضی ہے۔ تو اس کی رضامندی سے ارفع پر فیصلہ کیا جائے گا اور جب مہر مثل ناقص سے کم ہے اور

Marfat.com

مہر مثل سے زائد پر شوہر کی رضامندی موجود ہے تو ناقص دیا جائے گا۔
نکاح فاسد کی صورت میں اگر طلاق قبل دخول واقع ہو تو مرد پر واجب
تو یہی ہے کہ وہ عورت کو متعہ دے اور عموماً ناقص غلام کی نصف قیمت
متعہ کی مالیت سے زیادہ ہو جاتی ہے مگر مرد نصف ہی ادا کرے گا کیونکہ
شوہر خود زیادت کا اعتراف کر چکا ہے۔

مسئلہ :۔ اگر کوئی مرد کسی عورت سے غیر موصوف جانور کو مہر ٹھہرا کر
نکاح کرے (یعنی جانور کے متعلق یہ نہ بتائے کہ عمدہ قسم کا ہوگا یا ردی
قسم کا) تو یہ مہر متقرر کرنا صحیح شمار ہوگا اور عورت کو متوسط قسم کا جانور
ملے گا شوہر کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ یا تو متوسط قسم کا جانور دے یا اس
کی قیمت ادا کر دے۔

مصنفؒ ہدایہ فرماتے ہیں کہ اس مسئلے کا مقصد و مفہوم یہ ہے کہ مرد جو
جانور بطور عوض دے رہا ہے اس کی جنس نوع تو بیان کر دے خواہ اس
کے اوصاف کا تذکرہ نہ ہو۔ مثلاً مرد اس مہر پر عورت سے نکاح کرے کہ
میں بطور مہر گھوڑا دوں گا یا گدھا دیہ بیان کرنا ضروری نہیں کہ وہ ایرانی
ہوگا یا عربی۔ ہندی ہوگا یا ترکی)

البتہ جب مرد کسی جنس یا نوع ہی کا ذکر نہ کرے یعنی یہ کہے کہ میں
اس عورت سے ایک چوپائے کو مہر ٹھہرا کر نکاح کرتا ہوں (اور چوپائے
سے مراد گھوڑا یا معروف و معلوم جانور نہ ہو) تو اس قسم کا (مجہول) مہر متقرر
کرنا جائز نہ ہوگا اور مہر مثل لازم آئے گا۔

Marfat.com

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں مہر مثل واجب ہوگا۔ کیونکہ ان کے نزدیک جس چیز کی خرید و فروخت میں قیمت نہ مقرر ہو سکے وہ مہر ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی کیونکہ بیع و نکاح دونوں معاوضہ کی قسم ہیں۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ نکاح کا معاہدہ (بیع کے معاہدے سے کیسر مختلف ہے) مال کے تبادلے میں مال نہیں ہوتا (بلکہ عورت سے انتفاع یا تمتع ہوتا ہے اور اس کو مال نہیں کہا جا سکتا) لہذا ہمارے نزدیک قانونی اعتبار سے آغاز کار میں کسی شخص پر غیر موصوف مال واجب ہو سکتا ہے حتیٰ کہ ان اوصاف کا ذکر نہ ہونے سے اس کا وجوب باطل نہیں ہوتا جیسا کہ دیت اور اقرار کی صورت میں (مثلاً دیت میں لازم ہے کہ ۱۰۰ اونٹ ادا کرے لیکن ان کے اوصاف مذکور نہیں۔ اسی طرح اگر اونٹ دینے کا اقرار کیا جائے تو یہ ضروری نہیں ہوتا کہ ان کے رنگ قسم اور اوصاف گنوائے جائیں بلکہ متوسط اور معروف قسم مراد ہوتی ہے اور تنازعہ کی صورت میں قاضی کا فیصلہ حرفِ آخر ہوتا ہے) لیکن شرط یہ ہے کہ مہر مسمیٰ ایسا مذکور ہو جس کا متوسط درجہ معلوم و معروف ہو تاکہ زوجین میں سے ہر ایک کا مفاد ملحوظ رکھا جا سکے اور یہ شرط تبھی قابلِ عمل ہو سکتی ہے جنس کا علم ہو کیونکہ ہر جنس عمدہ متوسط اور ردی تینوں اقسام پر مشتمل ہوا کرتی ہے اور متوسط میں دونوں کا فائدہ ملحوظ ہوتا ہے لیکن اگر جنس مجہول ہو تو ایسا ممکن نہیں کیونکہ جنسوں کے مختلف ہونے سے متوسط کے تعین کا ذریعہ حاصل نہیں ہوتا اور بیع

کی صورت بھی جدا گانہ ہے کیونکہ اس میں عیب جوئی اور باریک بینی ممکن ہے (یعنی معمولی سا عیب نکلنے پر سودا چھوڑا جا سکتا ہے) لیکن نکاح کی اساس فراخ دلی پر ہوا کرتی ہے۔

نیز شوہر کو اختیار اس لئے دیا گیا ہے کہ کسی چیز کا متوسط لوگوں میں صرف قیمت ہی سے معروف ہوا کرتا ہے۔ لہذا وعدہ پورا کرنے کی صورت میں اصل اعتبار اسی پر ہوگا (یعنی زوج کو قیمت اور متوسط میں اس لئے اختیار دیا گیا کیونکہ توسط کا علم قیمت ہی سے ہو سکتا ہے اس لئے ادائیگی میں قیمت کو بھی اصل کی حیثیت حاصل ہوگی لہذا دونوں میں اختیار دیا گیا)

مسئلہ :۔ اگر کوئی مرد کسی عورت سے غیر موصوف کپڑے کو مہر ٹھہرا کر نکاح کرے تو عورت کو مہر مثل ملے گا اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس نے مہر میں صرف کپڑے کا ذکر کیا اور اس سے زیادہ کچھ نہ کہا (یعنی اس کی عمدگی وغیرہ کا کوئی تذکرہ نہ کیا) اور اس مسئلے میں مہر مثل دینے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں سرے سے جنس ہی مجہول ہے کیونکہ کپڑے کی کئی قسمیں ہوتی ہیں (یعنی سوتی، ریشمی، اونی کئی قسم کا کپڑا ہوتا ہے)۔

مسئلہ :۔ اگر مرد نے کسی نوع یا قسم کا ذکر کیا مثلاً یہ کہا کہ ہروی (خراسان کے شہر ہرات کا بنا ہوا) کپڑا دوں گا تو یہ مہر مقرر کرنا صحیح ہو جائے گا۔ اور مرد کو اختیار ہوگا (یعنی یا متوسط ہروی کپڑا دے یا اس کی قیمت) اس کے دلائل پہلے بیان ہو چکے ہیں (کہ کپڑے کی بہت سی

Marfat.com

اقسام ہوا کرتی ہیں لہذا اسے ایک جنس شمار کرنا صحیح نہ ہوگا نیز متوسط کا تعین بھی قیمت سے ہوتا ہے لہذا زوج کو اختیار ہوگا)

مسئلہ :۔ اگر مرد نے کپڑے کے کچھ مزید اوصاف بھی بیان کر دیئے تب بھی مسئلے کی صورت وہی رہے گی یعنی شوہر متوسط کپڑا یا اس کی قیمت ادا کرے گا۔ یہ مسئلہ ظاہر الروایت سے منقول ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ان اشیاء سے نہیں جن کی مانند اور مثل مل سکے (جیسے ناپ تول کی دیگر اشیاء) مسئلے کی صورت تب بھی وہی ہوگی جب کہ مہر مسمّٰی ناپ تول کی چیز ہو۔ یا مہر کی جنس تو بیان کی لیکن اوصاف بیان نہ کئے۔ ہاں اگر جنس بھی بیان کی اور اوصاف بھی گنوا دیئے تو شوہر کو جنس کے متوسط دینے یا اس کی قیمت ادا کرنے میں اختیار نہ ہوگا (بلکہ وہی چیز مہر میں دے گا) کیونکہ جس چیز کے اوصاف پورے بیان کر دیئے جائیں۔ اس کا ادا کرنا صحیح معنوں میں اس پر بحیثیت قرض لازم آتا ہے۔

مسئلہ :۔ اگر کسی مسلمان نے خمر و خنزیر کو مہر ٹھہرا کر نکاح کیا۔ تو نکاح تو جائز ہوگا لیکن عورت کو مہر مثل ملے گا کیونکہ شراب کو قبول کرنے کی شرط یقیناً فاسد ہے لہذا نکاح تو صحیح ہو جائے گا لیکن شرط لغو متصوّر ہوگی۔ البتہ بیع کی صورت جدا گانہ ہے کیونکہ وہ فاسد شرط سے باطل ہو جاتی ہے لیکن اس کا مہر مقرر ہونا صحیح نہ مانا جائے گا کیونکہ خمر و خنزیر مسلمان کے نزدیک مال شمار نہیں ہوتا لہذا مہر مثل ادا کرنا لازم آئے گا۔

مسئلہ :۔ اگر ایک مرد نے کسی عورت سے ایسے مہر پر نکاح کیا کہ یہ

Marfat.com

سر کے کا مڈکا بطور مہر دوں گا مگر وُہ سرکے کی بجائے شراب نکلا تو عورت کو مہر مثل ملے گا لیکن یہ امام اعظمؒ کے نزدیک ہے۔ صاحبین کہتے ہیں کہ عورت کو اسی مٹکے کے قدر سرکہ (متوسط قسم کا) ملے گا۔

**مسئلہ:۔** اگر مرد نے کسی عورت سے نکاح کیا اور کہا کہ مہر میں یہ غلام دوں گا مگر وُہ شخص آزاد نکلا۔ تو مہر مثل لازم آئے گا۔ یہ امام اعظمؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہے۔ ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اس آزاد مرد کو غلام فرض کرتے ہوئے اس کی تخمینی قیمت شوہر پر ادا کرنا واجب ہو گی۔ ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ مرد نے عورت کو ایک مال کا لالچ دیا لیکن اس کی سپردگی سے قاصر رہا لہذا اسے اس کی قیمت ادا کرنا واجب ہو گی یا اس کی مثل ادا کرنا ہو گا۔ بشرطیکہ وُہ مہر مقررہ مثلی جلتی چیز ہو یعنی ناپ تول کی اشیاء میں سے ہو جیسا کہ اگر مہر میں ٹھہرایا ہُوا غلام سپردگی سے پہلے ہلاک ہو جائے تو اس کی قیمت ادا کرنا ضروری ہوتی ہے۔

ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس مسئلے میں اشارہ اور تسمیہ دونوں جمع ہو گئے ہیں لیکن اشارہ اس لحاظ سے قابلِ اعتماد ہے کہ وہ مقصود کی طرف رہنمائی کرنے والا ہے اور اس سے کمالِ تعارف حاصل ہو جاتا ہے جیسے اگر آزاد آدمی یا شراب کو مہر مقرر کیا جائے۔ (تو اس صورت میں مہر مثل لازم آتا ہے)

امام محمدؒ کہتے ہیں کہ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ مہر مقررہ اگر اسی جنس سے ہو جس کی طرف اشارہ کیا گیا۔ تو عقد

Marfat.com

اس اشارہ کی گئی شے پر منعقد ہو جائے گا یعنی آزاد آدمی کی صورت میں مہر مثل لازم آئے گا، رہا وصف یعنی کسی چیز کی کوالٹی تو یہ بعد کی چیز ہے اور اگر تسمیہ اور مشار الیہ کی جنس ایک نہ ہو جیسا سرکہ اور شراب تو عقد شئی متعین پر ہی منعقد ہوگا۔ (یعنی سرکے کے بجائے شراب یا مہر مثل نہ دینا ہوگا بلکہ اس کی قیمت دینا ہوگی) کیونکہ مسمیٰ مشار الیہ کی مثل ہے (یعنی اسی کی طرح مستقل ہے) اور اس کا تابع نہیں ہے کیونکہ کسی چیز کی تعریف میں یا اس کے پہچاننے میں تسمیہ اشارے سے زیادہ بلیغ ہوا کرتا ہے کیونکہ تسمیہ شے کی اصل حقیقت سے روشناس کراتا ہے جب کہ اشارہ فقط ذات کی طرف نشاندہی کرتا ہے۔ کیا آپ اس بات کو تسلیم نہیں کرتے؟ کہ ایک شخص نے نگینہ خریدا۔ اس شرط پر کہ یاقوت کا ہے مگر وہ شیشہ نکلا تو سودا طے نہیں ہوگا کیونکہ دونوں میں اختلاف جنس پایا جاتا ہے۔ لیکن اگر خریدتے وقت اسے یہ بتایا جائے کہ یہ یاقوت احمر ہے مگر وہ یاقوت اخضر نکلا تو سودا طے ہو جائیگا۔ کیونکہ یہاں "اتحاد جنس" موجود ہے۔ ہمارے اس مذکورہ مسئلے میں آزاد اور غلام دونوں ایک ہی جنس ہیں۔ یعنی انسان ہیں۔ کیونکہ فوائد کے لحاظ سے غلام اور آزاد میں تھوڑا ہی فرق ہے۔ مگر سرکہ اور شراب صریحاً دو الگ جنسیں ہیں کیونکہ دونوں میں اپنے منافع کے اعتبار سے فرق عظیم موجود ہے اور ان میں سے ایک دوسرے کی قائم مقام نہیں بن سکتا۔

مسئلہ۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں ان دو غلاموں کے عوض عقد کرتا ہوں لیکن ان میں سے ایک آزاد تھا تو عورت کو صرف وہی باقی ماندہ غلام

Marfat.com

ہی ملے گا بشرطیکہ اس کی قیمت دس درہم سے کم نہ ہو۔ یہ صورت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے کیونکہ یہ غلام بہرحال سمّٰی ہے۔ یعنی مقرر کردہ مہر میں سے ہے اور مہر مقررہ اگرچہ قلیل ہی ہو لیکن اس کے ہوتے ہوئے مہر مثل لازم نہیں آتا۔

ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ عورت کو غلام اور اس آزاد کی قیمت، اگر وُہ غلام ہوتا، ملے گی کیونکہ مرد نے اسے دونوں غلاموں کے صحیح ہونے کا لالچ دیا تھا مگر ایک کی سپردگی سے قاصر ہے۔ لہٰذا اسے قیمت ادا کرنا ہوگی۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ابوحنیفہؒ سے بھی ایک روایت ایسی ہی ہے کہ عورت کو باقی غلام اس کے مہر مثل کی تکمیل تک ملے گا بشرطیکہ مہر مثل اس غلام کی قیمت سے زیادہ نہ ہو۔ (مثلاً مہر مثل دو ہزار روپے ہے اور غلام کی قیمت ایک ہزار روپیہ۔ تو مرد غلام کے ساتھ ایک ہزار روپیہ بھی ادا کرے گا۔ اگر مہر مثل ایک ہزار یا کم ہو تو صرف غلام) کیونکہ اگر دونوں آزاد ثابت ہوتے تو اس صورت میں پورا مہر مثل واجب ہوتا۔ تو جب دونوں میں سے ایک غلام نکلا تو اسے باقی ماندہ غلام مہر مثل کی تکمیل تک دینا واجب ہوگا۔

مسئلہ:۔ اگر قاضی نکاح فاسد کی وجہ سے دخول سے پہلے ہی زوجین میں تفریق کرا دے تو عورت کو کچھ مہر نہیں ملے گا کیونکہ اس نکاح فاسد میں صرف عقد ہی سے مہر واجب نہیں ہوگا بلکہ مہر اس صورت میں ضرری

Marfat.com

ہوتا ہے جب کہ مرد عورت سے تمتع کر چکے۔ اسی طرح خلوت کے بعد بھی مہر لازم نہ ہوگا کیونکہ ایسی خلوت میں عورت سے مباشرت حرام ہونے کی بنا پر مرد کی عورت پر قدرت صحیح متصور نہ ہوگی۔ لہٰذا ایسی خلوت مباشرت کے قائم مقام نہیں ہو سکتی۔ ہاں اگر مرد نے مباشرت کا ارتکاب کر لیا تو عورت یقیناً مہر مثل کی حقدار ہوگی۔ بشرطیکہ مہر مثل مہر مسمّٰی سے زائد نہ ہو۔ امام زفرؒ اس مسئلے میں ہم سے اختلاف رکھتے ہیں وہ اسے بیع فاسد پر قیاس کرتے ہیں (مثلاً ایک شخص نے بیع فاسد سے ایک غلام بیچا اور مشتری کے پاس غلام مر گیا تو مشتری کو قیمت ادا کرنا ہوگی۔ اسی طرح اگر مہر مثل مہر مسمّٰی سے زائد بھی ہو تو ادا کرنا پڑے گا)

ہماری دلیل یہ ہے کہ نکاح کی صورت میں مباشرت بمنزلۂ مال نہیں ہوتی بلکہ اس کی قیمت تو مہر مقرر سے متعین ہوتی ہے لیکن جب مہر مسمّٰی مہر مثل سے زائد ہو تو زیادتی واجب نہ ہوگی کیونکہ مذکورہ صورت میں تسمیہ درست ہی نہیں اور اگر مہر مسمّٰی مہر مثل سے کم ہو تو یہ زیادتی دینا بھی واجب نہیں ہوگا کیونکہ عورت اسی تقرر پر راضی ہے البتہ بیع کی صورت مختلف ہے کیونکہ وہاں مالِ تجارت کی قیمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

مسئلہ:۔ نکاح فاسد کی صورت میں قاضی کی تفریق کے بعد "عورت پر عدت" واجب ہوگی۔ یہاں شبہ کو حقیقت گردانا جائے گا تاکہ حد درجہ احتیاط ملحوظ رہے۔ نیز نسب میں اشتباہ کا احتمال نہ رہے۔ عدت کی ابتداء وقتِ تفریق سے کی جائے گی۔ آخری مباشرت کا وقت پیشِ نظر نہ ہوگا۔ یہی مسئلہ صحیح

Marfat.com

ہے کیونکہ جب عدّت کا وجوب نسب نکاح کی وجہ سے ہوا ہے تو اس کی ابتداء ازالۂ نکاح سے ہو گی۔

مسئلہ :۔ عورت کے ہاں بچہ ہونے کی صورت میں بچے کا نسب ثابت ہو گا کیونکہ اس کے اثبات میں احتیاط پیشِ نظر ہے کہ بچے کی بقاء اسی ثبوتِ نصب میں مضمر ہے پس وہ نسب اس نکاح پر ایک لحاظ سے مترتب ہو جائے گا (یعنی نکاح میں کم از کم ایجاب و قبول تو پایا گیا تھا)

مسئلہ :۔ امام محمدؒ کے نزدیک نکاح فاسد کی صورت میں مدّتِ نسب کا اعتبار مباشرت سے کیا جاتا ہے (امام اعظمؒ اور امام ابو یوسفؒ نکاح صحیح پر قیاس کرتے ہوئے وقتِ نکاح سے مدّتِ نسب شمار کرتے ہیں) اور امام محمدؒ کے قول ہی پر فتویٰ دیا جاتا ہے کیونکہ نکاح فاسد سے مباشرت کی طرف میلان نہیں ہوتا۔ لہٰذا نکاح کو مباشرت کا قائم مقام قرار نہیں دے سکتے (نکاح صحیح میں اگر چھ ماہ تک بچے کی پیدائش ہو جائے تو نسب ثابت ہو گی۔ اگرچہ مباشرت ہفتہ دو ہفتے بعد میں ہو مگر نکاحِ فاسد کی صورت میں اگر مباشرت مثلاً بیس دن بعد ہوئی اور بچہ پیدا ہوا تو اب نسب ثابت نہ ہو گی۔ اگرچہ نکاح کئے چھ ماہ پورے ہو جاتے ہیں)

مسئلہ :۔ مصنفؒ فرماتے ہیں کہ عورت کے مہر مثل کو اس کی بہنوں، پھوپھیوں اور چچا کی بیٹیوں کے مہر پر قیاس کیا جائے گا۔ حضرت ابنِ مسعودؓ کے اس ارشاد کے مطابق کہ عورت کو اپنی قوم کی عورتوں کے مطابق مہر ملے گا اس میں کوئی کمی اور بیشی روا نہ ہو گی۔

Marfat.com

قوم کی عورتوں سے مراد باپ کی رشتہ دار ہیں۔ کیونکہ ہر انسان قومیت کے لحاظ سے باپ کی قوم کی طرف منسوب ہوتا ہے اور ہر شے کی قدر و قیمت کا اندازہ اسی جنس کی اشیاء سے متعین کیا جاتا ہے۔

مسئلہ :۔ جب عورت کی ماں اور خالہ اس کے قبیلے سے نہ ہوں تو ان کے مہر کو معیار قرار نہیں دیا جائے گا۔ اگر اس کی ماں اس کے باپ کے قبیلے سے تعلق رکھتی ہو۔ مثلاً باپ کے چچا کی بیٹی ہو تو ماں کے مہر پر اعتبار کیا جا سکتا ہے کیونکہ وہ اس کے باپ کی قوم سے ہے۔

مسئلہ :۔ مہر مثل کا اعتبار قومیت کے علاوہ اس بات پر بھی ہوگا کہ عورتوں میں عمر، حسن و جمال۔ مال و دولت۔ عقل و دیانت۔ شہر اور زمانے کی مماثلت پائی جائے کیونکہ مذکورہ اوصاف کے اختلاف سے مہر مثل میں تغیر ہوتا رہتا ہے۔ شہر کے مختلف ہونے نیز زمانے کے اختلاف سے بھی مہر مختلف ہو جاتا ہے۔ بعض فقہاء متذکرہ بالا اوصاف میں بکارت کی مساوات بھی لازم قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ مہر بکارت و ثیوبت کی صورت میں بھی بدل سکتا ہے۔

مسئلہ :۔ لڑکی کا باپ یا ولی لڑکے کی طرف سے مہر کی ضمانت لے سکتا ہے کیونکہ ولی ضمانت و التزام کی اہلیت رکھتا ہے اور مہر ایسی چیز ہے جس کی ضمانت دی جا سکتی ہے۔

عورت اپنے خاوند یا ولی جس سے چاہے مہر کا مطالبہ کر سکتی ہے جس طرح دوسرے کفالتی امور میں ہوتا ہے۔ اگر مہر ولی ادا کرے تو وہ خاوند

Marfat.com

سے وصول کر سکے گا کیونکہ ولی نے خاوند کے کہنے کے مطابق ہی ضمانت قبول
کی تھی (اگر خاوند کے کہے بغیر ہی ولی ضمانت قبول کرے تو پھر قانوناً خاوند
سے لینے کا حق دار نہیں ہوتا) اور یہ ضمانت اس صورت میں بھی صحیح ہوگی
جب کہ زوجہ کم سن ہو (یعنی ولی مہر کا ضامن بن سکے گا لیکن یہ صورت
اس سے قطعاً مختلف ہے جب کہ ولی صغیر کا مال فروخت کرے اور خریدار
کی طرف سے قیمت کا ضامن بن جائے (اس صورت میں ذمہ داری صرف
ولی پر ہوگی۔ یہ نہیں کہ صغیر ولی یا مشتری جس سے چاہے مطالبہ کرے)
کیونکہ نکاح میں ولی کی حیثیت معبر و سفیر کی ہوتی ہے اور بیع میں عاقد
و مباشر کی۔ جبھی تو بیع کی ذمہ داری اور حقوق کا تعلق اسی سے ہوتا ہے
اور طرفین کے نزدیک ولی کا مشتری کو قیمت معاف کرنا بھی جائز ہے
صغیر کے بالغ ہونے پر ولی ہی وصولِ ثمن کا استحقاق رکھتا ہے۔
اگر صغیر کے مال میں ولی کی ضمانت جائز تصور کریں تو ولی ضامن لنفسہ
بن جاتا ہے (خود ہی مطالِب اور خود ہی مطالَب) (سوال:۔ صغیرہ کی
صورت میں باپ جب مہر کی ضمانت لے تو وصولی کا حق اسے ہی ہوتا
ہے تو باپ ضامن بھی ہوتا ہے اور قابض بھی یعنی خود ہی مطالِب اور
خود ہی مطالَب۔ جواب:۔ مہر کی صورت میں باپ کو ولایت القبض باعتبار
البوت کے حاصل ہے نہ کہ وہ عاقد ہے۔ آپ جانتے ہی ہیں کہ صغیرہ
کے بلوغ کے بعد باپ کو وصولی کا کوئی حق نہیں رہتا لہٰذا مہر کی صورت
میں باپ ضامن لنفسہ نہیں ہوگا۔

مسئلہ :۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ خاوند کو اپنے سے روک دے جب تک اس سے مہر وصول نہ کرے اور اس بات سے بھی روک سکتی ہے کہ اسے باہر لے جائے۔ یعنی اس کے ساتھ سفر پر جانے سے انکار کر سکتی ہے کیونکہ عورت کا حقِ بدل یعنی مہر میں متعیّن ہونا ضروری ہے جیسا کہ شوہر کا حق مُبدل میں متعیّن ہو چکا ہے۔ جس طرح بیع میں ہوتا ہے (کہ قیمت وصول کرنے سے پہلے بائع فروخت شدہ مال کو اپنے پاس روک سکتا ہے)

مسئلہ :۔ مرد بیوی کو سفر کرنے، گھر سے نکلنے اور اپنے اہل وعیال کی ملاقات کرنے سے منع نہیں کر سکتا جب تک کہ پورا مہر معجّل ادا نہ کر دے۔ کیونکہ اسے حقِ منع تبھی حاصل ہوگا جب کہ وہ اس کا معاوضہ ادا کر دے اور ادائے مہر سے پہلے اسے یہ حق حاصل نہ ہوگا۔

مسئلہ :۔ اگر مہر تمام کا تمام مؤجل ہو تو عورت کو یہ حق حاصل نہ ہوگا کہ وہ مرد کو اپنے سے روک دے کیونکہ جب وہ خود تاخیر پر راضی ہوئی تھی تو اس نے اپنا حق خود ساقط کر دیا۔ جیسا کہ بیع میں ہوا کرتا ہے کہ اگر بائع قیمت کی ادائیگی میں کچھ مہلت دے دے تو اسے فروخت شدہ مال کے روکنے کا حق حاصل نہ ہوگا)

اس مسئلے میں امام ابو یوسفؒ کا اختلاف ہے (وہ کہتے ہیں کہ مہر مؤجل کی صورت میں بھی عورت کو منع کرنے کا حق ہے اور فتویٰ بھی اسی قول پر دیا جاتا ہے)

Marfat.com

**مسئلہ**:۔ اگر خاوند مباشرت کر چکا ہو تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک پھر بھی حقِ منع باقی رہتا ہے مگر صاحبین کہتے ہیں کہ ایک دفعہ کی مباشرت کے بعد عورت پھر نہیں روک سکتی۔

اختلاف اس صورت میں ہے جب پہلی بار مباشرت عورت کی رضا سے ہوئی ہو۔ اگر بغیر رضا۔ یا بچپن یا جنون کی حالت میں ہو تو بالاتفاق اس کا حقِ منع ساقط نہ ہوگا۔ خلوت کی صورت میں بھی ائمہ کے مابین یہی اختلاف موجود ہے اور اسی اختلاف پر عورت کے نفقہ لینے کے حق رکھنے کی بنا ہے (امام اعظمؒ کے نزدیک منع کرنے سے بھی مرد کو نفقہ دینا ہوگا مگر صاحبینؒ کے نزدیک منع کرنے پر وہ نفقہ کی حقدار نہیں رہتی)

صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ خلوت یا پہلی مباشرت سے گویا عورت نے اپنے آپ کو کلی طور پر مرد کے حوالے کر دیا لہٰذا پورے مہر کی ادائیگی شوہر پر واجب ہو جائے گی۔ پس عورت کو بھی حقِ منع باقی نہ رہا۔ جس طرح بیع میں جب بائع مالِ تجارت کو مشتری کے سپرد کر دے تو پھر اسے روکنے کا حق باقی نہیں رہتا۔

امام ابو حنیفہؒ اس دلیل کے جواب میں فرماتے ہیں کہ اس عورت نے مرد کو مباشرت سے روکا ہے جو بدل یعنی مہر کے مقابل ہے (یعنی مرد جو مہر مقرر کرتا ہے۔ وہ تمام عمر کی مباشرتوں کے مقابل ہوتا ہے تو کوئی مباشرت بھی مہر سے خالی نہیں ہونی چاہیئے۔ کیونکہ ہر مباشرت عورت کی قابلِ احترام عصمت میں بمنزلۂ تصرف ہوتی ہے اس لئے اس عصمت کی حرمت کو پیشِ

Marfat.com

نظر رکھتے ہوئے کوئی مباشرت بھی عوض سے خالی نہیں ہونی چاہیئے۔
(امام اعظمؒ کی اس دلیل پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ جب مہر تمام عمر کی مباشرتوں کے مقابل ہے تو آپ پہلی مباشرت ہی سے اسے کیوں واجب قرار دیتے ہیں) امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ ہم ادائیگی مہر کو پہلی مباشرت پر ہی اس لئے لازم کر دیتے ہیں کہ پہلی مباشرت کا علم تو ہوتا ہی ہے۔ لیکن بعد میں ہونے والی مباشرتوں کا علم نہیں ہوا کرتا۔ لہٰذا جو معلوم اور متعیّن ہے۔ لاعلمی سے اس کی مزاحمت نہ ہونی چاہیئے۔ لہٰذا مہر پہلی مباشرت ہی سے واجب ہو جائے گا) ہاں جب دُوسری مباشرت پائی گئی تو یہ بھی معلوم و متعیّن ہو گئی۔ تاہم مزاحمت بھی ثابت ہو گئی۔ لہٰذا مہر سب معلومہ مباشرات کا مقابل بنتا چلا جائے گا۔ جیسے ایک غلام کسی گناہ کا ارتکاب کرے تو مالک اس غلام کو اس کے حوالے کر دے گا۔ جس کا اس نے جرم کیا ہے۔ لیکن سپردگی سے پہلے غلام دو تین اور جرائم کا اِرتکاب بھی کر لے۔ تو غلام ان سب جرائم کے بدلے پورا ہی دیا جائے گا (حالانکہ وہ پورا تو پہلے ہی جُرم پر دیا جانا تھا)

**مسئلہ**:۔ اگر مرد پورے مہر کی ادائیگی کر دے تو وہ عورت کو جہاں چاہے لے جا سکتا ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ۔ کہ جہاں تم سکونت پذیر ہو وہیں اپنی بیویوں کو ٹھہراؤ۔ (مگر بعض فقہاء نے اعتراض کیا کہ یہ آیت تو مطلقہ عورتوں کے بارے میں ہے۔ نیز آیت میں ادائیگی مہر کے بعد، کی کوئی تخصیص نہیں) فقیہہ ابواللیثؒ

Marfat.com

کا قول ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو اپنے علاقے سے دُوسرے علاقے میں نہ لے جائے کیونکہ مسافرت اور دُوری سے عورت کو پریشانی ہوگی۔ لیکن ایک ہی علاقے کے مختلف شہروں میں اجنبیت کا احساس اس قدر نہیں ہوتا۔

مسئلہ :۔ امام محمدؒ جامع الصغیر میں فرماتے ہیں۔ ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا لیکن مہر کے بارے میں دونوں میں اختلاف پیدا ہو گیا تو عورت سے قسم لے کر مہر مثل کی مقدار تک اس کے دعوے کو قبول کیا جائے گا۔ اگر عورت مہر مثل کی مقدار سے زیادہ کی مدعیہ ہو تو مرد کے قول کو تسلیم کیا جائے گا۔ اگر مرد مباشرت سے پہلے اسے طلاق دے دے تو نصف مہر کے بارے مرد کی بات تسلیم کی جائے گی یہ تمام صورتیں طرفین کے نزدیک ہیں۔

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ طلاق سے پہلے اور طلاق کے بعد دونوں صورتوں میں مرد کی بات قابلِ اعتماد ہو گی۔ لیکن مرد جب اتنا قلیل مہر بیان کرے جو عُرف و عادت میں اس جیسی عورت کا مہر مناسب نہ ہو تو مرد کی بات تسلیم نہ کریں گے اور مہر مثل کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا اور یہی معتبر ہے۔

امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ عورت زیادہ کی مدعیہ ہے لیکن مرد اس سے انکار کرتا ہے اور اصول یہ ہے کہ قول، انکار کرنے والے کا، اس سے قسم لینے کے بعد معتبر مانا جاتا ہے۔ ہاں اگر مرد اتنا قلیل مہر بیان کرے جو

Marfat.com

ظاہر طور پر جھوٹ معلوم ہوتا ہو (کہ ایسی عورتوں کا مہر اس قدر قلیل نہیں ہوتا) تو اس وقت مرد کی بات نہیں مانی جائے گی اور یہ مسئلہ ثابت ہے (ہم نے مذکورہ صورت میں مرد کی بات کو اس لئے قابلِ قبول کہا ہے کہ) نکاح میں عورت سے متمتع ہونے کے معاوضے یعنی مہر کا تخمینہ ضروری ہے اور جب مہر مسمّٰی ممکن ہو تو مہر مثل کی طرف رجوع نہیں کیا جاتا۔

طرفینؒ اپنے مسلک کی تائید میں فرماتے ہیں کہ دعووں میں عموماً اس شخص کی بات قابلِ قبول ہوتی ہے جس کی شہادت اور تائید میں ظاہری اور خارجی قرینے دستیاب ہو سکیں اور ظاہر اس شخص کا مؤیّد ہوتا ہے جس کی تائید مہر مثل سے ہو رہی ہو۔ کیونکہ شرعی طور پر نکاح میں اصل واجب مہر مثل ہی ہے (اس مسئلے کی صورت ایسی ہے) جس طرح کہ ایک رنگریز اور کپڑے کے مالک میں اجرت پر اختلاف ہو جائے (مثلاً رنگریز ایک روپیہ کہتا ہے اور مالک آٹھ آنے) تو رنگ کی قیمت کے اندازے پر فیصلہ کیا جائے گا (اگر رنگ کی قیمت کا اندازہ آٹھ آنے ہو گا تو اٹھنّی ادا کریں گے۔ اگر بارہ آنے ہو تو اتنی رقم ہی دی جائے گی)

صاحبِ قدوری نے یہاں متن میں ذکر کیا ہے کہ طلاق قبل الدخول کی صورت میں نصف مہر کے بارے مرد کی بات تسلیم کی جاتی ہے۔ یہ روایت جامع الصغیر اور مبسوط میں مندرج ہے مگر جامع الکبیر میں طرفینؒ کا یہ قول مذکور ہے کہ طلاق قبل دخول میں عورت کے لئے متعہ مثل کا حکم دیا جائے گا۔ طرفینؒ کا یہ قول قیاس پر مبنی معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ طلاق

قبل دخول کے بعد متعہ واجب ہوتا ہے جس طرح کہ طلاق سے قبل مہر مثل واجب ہوتا ہے تو متعہ مثل گویا مہر مثل ہی قرار پائے گا۔

جامع الصغیر اور جامع الکبیر کی روایات میں اس طرح تطبیق دی جا سکتی ہے کہ امام محمدؒ نے مبسوط میں مسئلہ کی بنا ہزار اور دو ہزار پر رکھی ہے (یعنی زوج کہے کہ مجھے ہزار دینا ہے مگر زوجہ دو ہزار کا مطالبہ کرتی ہے) اب اگر متعہ مثل کا فیصلہ کریں تو عادتاً اس کی قیمت اتنی نہیں ہوتی۔ لہٰذا ہم متعہ کو فیصل نہیں بنا سکتے۔ مگر جامع الکبیر میں مسئلے کو سوا درس کی صورت میں ذکر کیا گیا ہے۔ اگر متعہ مثل بیس کے قدر ہو تو متعہ مثل کو فیصل قرار دیا جا سکتا ہے۔

جامع الصغیر میں کسی مقدار کا ذکر نہیں کیا گیا لہٰذا اس روایت کو بھی مبسوط والی روایت پر محمول کریں گے۔

اور طرفینؒ کے قول کی صراحت یہ ہے کہ اگر قیامِ نکاح کی حالت میں زوجین کا مہر کے بارے میں اختلاف ہو جائے۔ مثلاً مرد ایک ہزار کا دعویٰ کرتا ہے اور عورت دو ہزار کی مدعیہ ہے تو ہم مہر مثل کو دیکھیں گے اگر وہ ہزار یا اس سے کم ہو تو مرد کی بات تسلیم کی جائے گی اگر مہر مثل دو ہزار یا زائد ہو تو عورت کی بات قابلِ قبول ہو گی (کیونکہ عورت نے دو ہزار سے بیشی کو رضامندی سے چھوڑ دیا ہے) دونوں صورتوں میں جو بھی گواہ پیش کر دے۔ اس کی شہادت مانی جائے گی (دونوں صورتوں سے مراد یہ ہے کہ مہر مثل مرد کا مؤید ہو یا عورت کا)

Marfat.com

اگر زوجین میں سے دونوں اپنے اپنے دعوے کے شاہد پہلی صورت میں پیش کریں تو عورت کے گواہوں کی شہادت قبول ہوگی کیونکہ مہر کی زیادتی ثابت ہوتی ہے۔ اور دوسری صورت میں مرد کے گواہوں کی شہادت مانی جائے گی کیونکہ اس سے مہر میں کمی ثابت ہوتی ہے۔ لیکن اگر مہر مثل ڈیڑھ ہزار ہو تو دونوں کو قسم دلائی جائے گی۔ اگر دونوں قسم کھالیں تو ڈیڑھ ہزار ہی دیں گے (ورنہ جو قسم سے انکار کرے اس کے خلاف فیصلہ کیا جائے گا)

یہ ابوبکر جصاص رازیؒ کی تخریج (استنباط) ہے (یعنی امام اعظمؒ اور امام محمدؒ نے اس کی تصریح نہیں کی لیکن ان کے قواعد کے مطابق معلوم ہوتا ہے) امام کرخیؒ کہتے ہیں کہ تینوں صورتوں میں (یعنی مہر مثل مرد کا مؤید ہو یا عورت کا یا کسی کا بھی نہ ہو) قسم لی جائے گی اور قسم کے بعد مہر مثل کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔

مسئلہ :۔ اگر اصل مہر مسمّٰی ہی میں اختلاف ہو (عورت دعویٰ کرے کہ شوہر نے مہر مقرر کیا تھا مگر شوہر اس سے انکار کرتا ہے) تو بالاتفاق مہر مثل واجب ہوگا کیونکہ طرفین کے نزدیک تو مہر مثل ہی اصل ہوتا ہے اور ابو یوسفؒ کے نزدیک چونکہ اب مہر مسمّٰی سے فیصلہ ممکن نہیں لہٰذا مجبوراً مہر مثل ہی کا فیصلہ دینا پڑے گا۔

مسئلہ :۔ اگر زوجین میں سے ایک کے مرنے کے بعد اختلاف رونما ہو تو فیصلہ اسی طرح ہوگا جس طرح دونوں کی زندگی میں کیا جاتا کیونکہ مہر مثل

Marfat.com

پر قیاس کرنا کسی ایک کی موت سے ساقط نہیں ہوتا۔

مسئلہ :۔ اگر زوجین کے مرنے کے بعد مہر کی مقدار میں اختلاف پیدا ہو تو امام اعظمؒ کے نزدیک مرد کے وارثوں کا قول مانا جائے گا۔ اور امام اعظمؒ تو قلیل کا استثناء بھی نہیں کرتے۔ ابو یوسفؒ کے نزدیک بھی ورثائے زوج کی بات ہی قابلِ تسلیم ہوگی مگر جب وہ (مثلاً دس درہم سے بھی) کم ہوں تو اس وقت ان کا قول معتبر نہیں ہوگا۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ مسئلے کی جو صورت ان کی زندگی میں ہے موت کے بعد بھی وہی ہوگی۔ لیکن اگر (زوجین کی موت کے بعد) اصل مسمّٰی میں اختلاف پیدا ہو تو ابو حنیفہؒ کے نزدیک منکر کا قول تسلیم کیا جائے گا (صاحبینؒ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مہر مثل سے فیصلہ کیا جائے گا (علیہ الفتویٰ) الحاصل امام اعظمؒ کے نزدیک زوجین کی موت کے بعد مہر مثل کو فیصل نہیں بنایا جائے گا۔ ہم آئندہ اس کی تفصیل بیان کریں گے۔

مسئلہ :۔ اگر میاں بیوی دونوں وفات پا جائیں اور شوہر نے بیوی کا مہر مقرر کیا ہوا تھا تو عورت کے وارث مرد کی میراث سے مہر مسمّٰی وصول کر سکتے ہیں لیکن اگر مہر مقرر نہ کیا جائے تو امام اعظمؒ کے نزدیک ورثاء زوجہ کو کچھ نہ ملے گا صاحبین کے نزدیک ان کو دونوں صورتوں میں مہر ملے گا۔ پہلی صورت میں مہر مسمّٰی اور دوسری میں مہر مثل۔ پہلی صورت کی دلیل یہ ہے کہ مہر مسمّٰی مرد کے ذمے قرض تھا جو اب موت سے ثابت ہو چکا ہے (کیونکہ موت سے پہلے تو مباشرت سے پہلے بھی طلاق دے سکتا تھا۔ اس لئے اس وقت ثبوت

میں اس قدر استحکام نہیں تھا جس طرح کہ اب موت سے ہوا ہے) پس یہ قرض شوہر کے ترکہ سے ادا کیا جائے گا۔ لیکن جب معلوم ہو جائے کہ عورت کی وفات مرد سے پہلے ہوئی تھی تو اب مرد کا جتنا حصّہ عورت کی وراثت میں تھا اس قدر مہر ساقط ہو جائے گا (شرعی قانون یہ ہے کہ جب عورت مرے تو اس کا ورثہ بھی تقسیم ہوتا ہے۔ عورت نے جو کچھ کسی سے قرض لینا ہو وہ بھی مال میں جمع کر کے تقسیم کریں گے۔ مذکورہ صورت میں عورت نے جو مہر مرد سے لینا تھا وہ مرد پر قرض تھا تو اسے مالِ موجودہ میں جمع کر کے تقسیم کریں گے۔ مثلاً مرد کا حصّہ پچاس روپے نکلا۔ اور مہر یک صد تھا تو عورت کے وارثوں کو باقی پچاس روپے ملیں گے)

دوسری صورت کی صاحبینؒ یہ دلیل دیتے ہیں کہ عدمِ مسمّٰی کی صورت میں مہر مثل ہی مہر مسمّٰی کی طرح قرض بن جائے گا اس لئے موت سے ساقط نہ ہو گا جس طرح کہ ایک کے مر جانے سے ساقط نہیں ہوتا۔

امام اعظمؒ کی رائے یہ ہے کہ زوجین کی موت ان کی رفاقت (ہمعصری) کے ختم ہونے پر دلالت کرتی ہے تو قاضی کس کے مہر کے ساتھ مہر مثل کا فیصلہ کرے گا (اگر دو میں سے صرف ایک ہی مرے تو تقادمِ عہد نہیں ہوتا۔ کیونکہ مہر کو دوسری عورت کے مہر پر قیاس کر سکتے ہیں مگر جب دونوں مر گئے تو اب انہیں کس کا ہم عصر بنائیں گے کہ جس کے مہر پر قیاس کر سکیں)

**مسئلہ**:۔ اگر ایک شخص نے اپنی عورت کی طرف کوئی چیز بھیجی۔ عورت نے کہا۔ یہ ہدیہ تھا اور مرد نے کہا کہ یہ تو مہر سے تھا تو مرد کی بات مانی جائیگی

گی (لیکن مرد سے قسم لی جائے گی) کیونکہ مرد نے ہی عورت کو حق ملکیت دیا ہے لہذا وہ اس تملیک کی حیثیت کو خوب جانتا ہے اور یہ بات قرین قیاس بھی ہے۔ کہ وہ کچھ نہ کچھ دے کر اپنے اوپر واجب کی ادائیگی کی کوشش ہی کر رہا ہے۔

مسئلہ:۔ (امام محمدؒ نے جامع الصغیر میں مذکورہ صورت میں ایک شرط کا اضافہ کیا ہے) کہ ارسال کردہ شے ماکولات (یعنی کھانے پینے والی اشیاء) سے نہ ہو۔ ورنہ اس صورت میں عورت کی بات تسلیم کرنا ہوگی ماکول سے مراد وہ چیز ہے جو کھانے کے لئے تیار ہو کیونکہ اس قسم کی اشیاء عموماً تحفۃً ارسال کی جاتی ہیں۔ گندم اور جو کی صورت میں تو مرد کا قول ہی قابلِ قبول ہوگا۔ اس کی دلیل ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں (کہ وہ کچھ دے کر واجب کی ادائیگی کی کوشش کر رہا ہے)

بعض فقہاء کا قول ہے کہ جو اشیاء مثلاً دوپٹہ، قمیص اور دوسرے کپڑے مرد کے ذمے واجب ہیں وہ انہیں مہر میں شمار نہیں کر سکتا کیونکہ ظاہر اس کی تکذیب کرتا ہے۔ واللہ اعلم۔

## فصل

(پہلے تو مسلمانوں کے امورِ نکاح کا ذکر تھا۔ اس فصل میں کفار کے نکاح کا تذکرہ ہے)

اگر کسی نصرانی مرد نے نصرانیہ سے نکاح کیا اور مرد کو مہر ٹھہرایا یا بغیر مہر کے ہی نکاح کر لیا۔ اور یہ ان کے مذہب میں جائز ہے۔ یا عورت سے مباشرت

Marfat.com

کر لی یا قبل از دخول اسے طلاق دے دی۔ یا مرد مر گیا۔ تو عورت کو کچھ مہر نہیں ملے گا۔ اس طرح اگر دو حربی دار الحرب میں نکاح کریں تو ان کا حکم بھی یہی ہوگا (یعنی اگر وہ دار الحرب سے آکر ہم سے مسئلہ دریافت کریں)

یہ مذکورہ صورتیں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہیں اور حربیوں کے بارے میں صاحبینؒ کا بھی امام اعظمؒ سے اتفاق ہے لیکن ذمیہ کے متعلق انہیں اختلاف ہے۔ صاحبین کہتے ہیں کہ مباشرت اور موتِ زوج کی صورت میں عورت کو مہر مثل ملے گا اور اگر مباشرت سے پہلے ہی طلاق دے دی گئی تو اسے متعہ دیا جائے گا۔ امام زفرؒ حربیین کی صورت میں بھی مہر مثل کو لازم قرار دیتے ہیں کیونکہ شرع شریف نے ابتغائے نکاح کو مال کے بدلے ہی مشروع کیا ہے (لقولہ تعالیٰ ان تبتغوا باموالکم) اور شریعت کے قوانین میں عمومیت ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سبھی عالم کے لئے مبعوث ہوئے اس لئے مہر کے حکم کا ثبوت بھی علی العموم ہوگا۔

صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ اہلِ حرب احکامِ اسلامیہ کے مکلف نہیں ہوتے (اور نہ ہی وہ انہیں اپنے لئے لازم خیال کرتے ہیں) نیز جگہ کے بدل جانے سے ولایت لازم بھی منقطع ہو چکی ہے۔ بخلاف اہلِ ذمہ کے۔ کیونکہ انہوں نے تو ہمارے احکام کا ان امور میں التزام کر لیا ہے جو معاملات سے تعلق رکھتے ہیں جیسے سود اور زنا وغیرہ (اگر ان سے بھی زنا کا صدور ہو تو ان پر حد قائم کی جائے گی) اور اتحادِ دار (یعنی ایک ہی جگہ میں مسلمانوں اور ذمیوں کے اکٹھے بسنے) کی وجہ سے ہماری طرف سے ولایت الزام ثابت ہے

Marfat.com

(لہٰذا عورت کو مہر مثل ملے گا)

امام اعظمؒ اپنے مسلک کی تائید میں فرماتے ہیں کہ اہلِ ذمہ مذہبی امور میں ہمارے احکام مثلاً نماز روزے کے پابند نہیں۔ نیز ان معاملات میں بھی جن کے خلاف کا وہ اعتقاد رکھتے ہیں (جیسے شراب و سؤر کی خرید و فروخت کا جواز) اور ولایتِ الزام یا تو تلوار سے ثابت ہوتی ہے کہ جبراً اس سے تعمیل کرائیں یا استدلال سے ثابت ہو سکتی ہے (کہ ہم اپنا دعویٰ دلیل سے ثابت کریں) لیکن یہ دونوں صورتیں اہل ذمہ کے حق میں مفقود ہیں کیونکہ ہم نے ان کی ذمہ داری لی ہوئی ہے۔ ہمیں شریعت نے یہی ہدایت کی ہے کہ ہم انہیں مذہبی امور میں کامل آزادی دیں (اور ان کے مذہبی معاملات میں دخل اندازی نہ کریں) پس ان کی مثال بھی حربیوں کی سی ہو گئی۔ بخلاف زنا کے کیونکہ وہ تمام ادیان میں حرام ہے اور سؤر ان کے عقدِ ذمہ سے مستثنیٰ ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص سؤر کی کاروبار کرے گا ہمارے اور اس کے درمیان کوئی عہد نہ ہوگا۔

جامع الصغیر میں امام محمدؒ کے قول "او علی غیر ملتہ" کے دو معنے ہو سکتے ہیں۔ یا تو اس سے مراد یہ ہے کہ مہر مطلقاً ہوگا ہی نہیں۔ یا بوقت عقد مہر کا ذکر نہیں کیا گیا۔ بعض نے کہا کہ "ملیۃ" اور "سکوت عن ذکر الملۃ" کے متعلق دو روایتیں ہیں۔ ایک تو امام اعظمؒ کے مطابق اور ایک مخالف مگر صحیح یہ ہے کہ تمام صورتوں میں اختلاف موجود ہے۔

مسئلہ :۔ اگر کسی ذمی نے ذمیہ سے شراب یا خنزیر کو مہر ٹھہرا کر نکاح

کیا۔ پھر دونوں اسلام لے آئے یا ان میں سے ایک نے قبولِ اسلام کر لیا تو عورت کو شراب یا سُوَر ملے گا جب یہ دونوں (معیّن) سامنے ہوں اور وصول کرنے سے پہلے پہلے اسلام لے آئیں۔ (شراب یا خنزیر ملنے کا مطلب یہ ہے کہ عورت کو کچھ نہیں ملے گا کیونکہ خمر و خنزیر دونوں حرام ہیں) اگر خمر یا خنزیر ابھی مرد کے ذمے ہوں (یعنی غیر معیّن ہوں) تو خمر کی صورت میں اس کی قیمت دینا ہو گی اور خنزیر کی صورت میں مہرِ مثل۔ یہ تمام صورتیں امام اعظمؒ کے نزدیک ہیں۔

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں مہرِ مثل دینا پڑے گا۔ امام محمدؒ کے نزدیک دونوں صورتوں میں قیمت واجب ہو گی۔

امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ کسی چیز پہ قبضہ ملکیت کو ثابت کر دیتا ہے۔ پس قبضہ عقد کے مشابہ ہو گا مگر اس صورت میں قبضہ بسببِ اسلام ممنوع ہے جس طرح کہ ابتداءً ہی ان کے عوض عقد منع ہوتا ہے گویا یہ دونوں معیّن ہی نہ تھے۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ حالتِ قبضہ حالتِ عقد کی طرح ہے تو ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر عقد کے وقت دونوں مسلمان ہوتے اور انہوں نے خمر و خنزیر کو مہر ٹھہرایا ہوتا تو بھی مہرِ مثل لازم آتا۔ لہٰذا اسی طرح اس صورت میں بھی ہو گا۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جب انہوں نے عقد کیا تھا اس وقت خمر و خنزیر کو عوض بنانا درست تھا کیونکہ یہ اشیاء ان کے نزدیک مال کی حیثیت رکھتی تھیں مگر اب اسلام لانے کی بنا پر ان کی سپردگی ممنوع ٹھہری۔ لہٰذا

Marfat.com

قیمت واجب ہوگی۔ جیسا کہ اگر ایک معیّن غلام سپردگی سے پہلے مرجائے تو قیمت ادا کرنا پڑتی ہے۔

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مہر معیّن میں ملکیت عقد ہی سے پوری ہو جاتی ہے۔ اسی بنا پر عورت کو مہر میں حقِ تصرف حاصل ہو جاتا ہے (کہ اسے فروخت یا معاف کر سکتی ہے) قبضہ لینے سے تو صرف اتنا فرق پڑتا ہے کہ مہر مرد کی ذمہ داری سے منتقل ہو کر عورت کی ذمہ داری میں آ جاتا ہے اور ذمہ داری کی منتقلی اسلام میں منع نہیں جیسا کہ مغصوب کی ہوئی شراب کا لوٹانا (مثلاً ایک شخص کے پاس شراب تھی کسی دوسرے نے چھین لی۔ اب ملک تو اسی (مالک) کا تھا مگر "فی ضمان الغاصب" چلا گیا مالک شراب اسلام لے آیا۔ تو وہ اپنی شراب واپس لے سکتا ہے کیونکہ اس کی ملکیت تو پہلے ہی سے موجود تھی۔ اب تو صرف "انتقال من ضمان الی ضمان" ہوا ہے) اور غیر معیّن شے میں ملک نفسِ عقد سے مکمل نہیں ہوتا بلکہ قبضہ کے بعد ہوگا۔ لیکن اب قبضہ سے اسلام مانع ہے۔ بخلاف مشتری کے کیونکہ حقِ تصرف قبضے سے حاصل ہوتا ہے۔ جب غیر معیّن خنزیر میں قبضہ ممکن نہیں تو خنزیر کی قیمت واجب نہ ہوگی۔ بلکہ مہر مثل لازم ہوگا) کیونکہ خنزیر ذواتِ القیم سے ہے تو خنزیر کی قیمت لینا گویا عین خنزیر لینے کے مترادف ہوگا۔ لیکن شراب کی یہ صورت نہیں ہوتی کیونکہ وہ "ذواتُ الامثال" سے ہے۔ کیا آپ کے ہاں یہ مسلّم نہیں کہ اگر اسلام لانے سے پہلے پہلے مرد غیر معیّن خنزیر کی صورت میں قیمت دے دے تو عورت کو لینے پر مجبور

Marfat.com

کیا جا سکتا ہے مگر شراب کی صورت میں نہیں۔

اگر عورت کو قبل الدخول طلاق دے دی جائے تو جو حضرات مہر مثل کے وجوب کے قائل ہیں وہ متعہ واجب قرار دیتے ہیں اور جو قیمت کے قائل ہیں ان کے نزدیک نصف قیمت دینا ہوگی۔

# غلاموں کے نکاح کے بیان میں

مسئلہ :۔ غلام اور لونڈی کا نکاح ان کے مالکوں کی اجازت کے بغیر منعقد نہیں ہوتا۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ غلام اپنے مالک کی اجازت کے بغیر نکاح کر سکتا ہے۔ کیونکہ غلام کو جب اپنے اختیار سے طلاق دینے کا حق حاصل ہے تو اسے نکاح کرنے کا اختیار کیوں حاصل نہ ہوگا؟

ہماری دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ "جو غلام اپنے مالک کی اجازت کے بغیر نکاح کرے وہ زانی ہے"۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر ان کا نکاح نافذ قرار دیا جائے تو دونوں عیب دار ہو جائیں گے کیونکہ نکاح کی بنا پر وہ پورے طور پر حقِ خدمت ادا نہیں کر سکتے۔ خصوصاً جب باندی بچہ جنے گی تو مالک کی خدمت نہیں کر سکے گی۔ اسی اصول کے پیشِ نظر اگر کوئی شخص باندی خریدے اور بعد میں پتہ چلے کہ یہ منکوحہ ہے تو اسے

Marfat.com

واپس کرنے کا اختیار حاصل ہے) کیونکہ نکاح ان دونوں میں بمنزلہ عیب ہے۔ لہذا اپنے اپنے مالکوں کی اجازت کے بغیر نکاح کرنے کے مجاز نہیں ہوں گے۔

مسئلہ :۔ مکاتب کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ معاہدۂ کتابت سے تو اسے صرف کمانے کی آزادی حاصل ہوتی ہے مگر نکاح کے حق میں غلامی باقی رہے گی۔ اسی لئے مکاتب کو اپنے غلام کا نکاح کرنے کا حق حاصل نہیں۔ (جو اس نے اپنی کمائی سے خریدا ہے کیونکہ اس نکاح سے مکاتب کو کیا فائدہ ہوگا) البتہ وہ اپنی لونڈی کا نکاح دوسرے شخص سے کر سکتا ہے کیونکہ یہ تو ایک نفع بخش کام ہے (کہ باندی کا مہر اور اولاد وغیرہ کا مالک ہوگا)

اسی طرح مکاتبہ باندی بھی مجاز نہیں کہ مولیٰ کی اجازت کے بغیر اپنا نکاح کسی سے کرے۔ البتہ اپنی لونڈی کا نکاح کسی دوسرے سے کر سکتی ہے۔ اس کی دلیل ہم ابھی بیان کر چکے ہیں۔

مسئلہ :۔ مدبر اور ام ولد بھی مالک کی اجازت کے بغیر اپنا نکاح نہیں کر سکتے کیونکہ ان میں مالک کی ملکیت موجود ہوتی ہے۔

مسئلہ :۔ اگر غلام نے اپنے مالک کی اجازت سے نکاح کر لیا تو مہر اس کے ذمے قرض ہوگا۔ جس کے مطالبہ میں غلام کو فروخت کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ ایک ایسا قرض ہے جس کی ذمہ داری غلام کی گردن پر ہے کیونکہ قرضے کا سبب یعنی نکاح ایک عاقل و بالغ کے ہاتھوں ظہور پذیر ہوا ہے

Marfat.com

اور اس سبب کا ظہور مولیٰ کے حق میں بھی ہو گیا ہے کیونکہ اس نے نکاح کرنے کی اجازت دی ہے۔ اس لئے اس قرض کی ذمہ داری غلام کی گردن پر ہو گی۔ تاکہ قرض خواہوں کو کسی قسم کا نقصان نہ ہو (چنانچہ غلام بیع کر مالک کے ہاتھوں سے جاتا رہے گا) جیسا کہ تجارت کے قرضے میں ہوتا ہے کہ اگر ایک غلام کو مالک نے تجارت کرنے کی اجازت دی مگر غلام پر قرض ہو گیا تو اب غلام کو فروخت کر کے قرض ادا کرنا ہو گا۔

مسئلہ :۔ مدبر اور مکاتب غلام اپنے مہر کی ادائیگی کی خود کوشش کریں گے اور وہ مہر کی ادائیگی کے لئے فروخت نہ کئے جائیں گے کیونکہ کتابت و تدبیر کے ہوتے ہوئے وہ ایک کی ملکیت سے دوسرے کی ملکیت میں منتقل نہیں ہو سکتے لہذا مہر ان کی کمائی سے ادا کیا جائے گا۔ ان کی ذات سے نہیں۔

مسئلہ :۔ اگر کسی غلام نے مالک کی اجازت کے بغیر نکاح کر لیا اور مولیٰ نے کہا کہ اسے طلاق دے دے یا جدا کر دے تو یہ کلام اجازت متصور نہ ہو گی کیونکہ اس کلام میں تو رد کا صریح احتمال موجود ہے کیونکہ ایسے عقدوں کا رد کرنا یا ترک کرنا ہی طلاق اور جدائی کہلاتا ہے اور سرکش غلام کے مناسب حال تو یہی ہے (کہ ایسے نکاح کو رد کر دیا جائے) ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ رد کرنے کا قرینہ زیادہ واضح ہے لہذا مولیٰ کے کلام کو رد پر محمول کیا جائے گا۔

مسئلہ :۔ اگر مولیٰ غلام سے کہے کہ اس عورت کو طلاق دے دے البتہ

Marfat.com

بخشے رجعت کا حق حاصل ہوگا تو یہ قول اجازت تصور کیا جائے گا کیونکہ طلاق رجعی تبھی ممکن ہے جب کہ اصل نکاح صحیح ہو اس لئے اجازت کا تعین ہو گیا۔

مسئلہ :۔ اگر مولیٰ نے غلام سے کہا کہ تو اس باندی سے نکاح کر لے مگر غلام نے اس سے نکاح فاسد کر لیا اور اس سے مباشرت بھی کر لی تو امام اعظمؒ کے نزدیک اسے مہر میں فروخت کیا جائے گا۔

صاحبینؒ کہتے ہیں کہ جب غلام آزاد کیا جائے اس وقت اس سے مہر وصول کیا جائے گا۔ اس اختلاف کی بنیاد اس اصول پر ہے کہ ابو حنیفہؒ کے نزدیک اجازتِ نکاح، نکاحِ فاسد اور نکاحِ جائز دونوں پر مشتمل ہوتی ہے تو یہ مہر (جو نکاحِ فاسد کی مباشرت سے لازم آیا) مولیٰ کے حق میں ظاہر ہوگا۔ (حتیٰ کہ غلام فروخت کیا جائے گا)

صاحبینؒ کے نزدیک مولیٰ کی اجازت صرف نکاحِ صحیح کو شامل ہے اس میں نکاحِ فاسد داخل نہ ہوگا تو نکاحِ فاسد سے لازم آمدہ مہر مولیٰ کے حق میں ظاہر نہ ہوگا (کہ مہر کے عوض فروخت کر دیا جائے) اس لئے غلام کی آزادی کے بعد اس سے مطالبہ کیا جائے گا۔

صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ نکاح کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ انسان آئندہ زمانے میں پاکدامنی کی زندگی بسر کرے اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کر سکے اور یہ مقصد صرف نکاحِ صحیح سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اسی اصول کے مدِ نظر اگر کوئی شخص یہ قسم کھائے کہ وہ نکاح نہیں کرے گا تو وہ صرف

Marfat.com

نکاح صحیح کرنے سے حانث ہوگا۔ ورنہ نہیں۔ البتہ بیع کا مسئلہ اس سے مختلف ہے (کہ اگر مولیٰ غلام کو بیع کی اجازت دے تو یہ اجازت بیعِ صحیح اور فاسد دونوں پر مشتمل ہوگی) کیونکہ بیع میں کم از کم بعض مقاصد تو حاصل رہتے ہیں مثلاً تصرّف کرنے کی قدرت۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ مولیٰ نے مُطلق نکاح کا لفظ استعمال کیا ہے لہٰذا اس سے مطلق معنی ہی مراد ہوں گے (یعنی صحیح یا فاسد کی کوئی قید ساتھ ذکر نہیں کی گئی) جیسا کہ بیع میں ہوتا ہے (کہ ہر قسم کی بیع شامل ہو جاتی ہے) رہا صاحبینؒ کا یہ کہنا کہ بیع میں کم از کم بعض مقاصد تو حاصل ہوتے ہیں تو نکاح فاسد میں بھی بعض مقاصد کا حصُول ہوتا ہے جیسا کہ مباشرت کی وجہ سے نسب کا ثابت ہونا۔ مہر اور عدّت کا لازم ہونا وغیرہ۔

رہا یہ اصُول (کہ مُطلق اپنے اطلاق پر جاری ہوتا ہے) تو اسے قسم والے مسئلے میں ہم تسلیم نہیں کرتے (اگر نکاح نہ کرنے کی قسم کھائی تو نکاح فاسد سے بھی حانث ہوگا۔ اگر تسلیم کر بھی لیں تب بھی آپ کا مقصد پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتا کیونکہ قسم کا مدار عُرف و رواج پر ہوتا ہے مگر نکاح کا نہیں)

مسئلہ:۔ اگر کسی شخص نے ایک ایسے غلام سے عورت کا نکاح کر دیا جسے تجارت کرنے کی اجازت حاصل تھی مگر وہ مقروض تھا تو نکاح درست ہوگا اور عورت اپنے مہر کے سلسلے میں دوسرے قرض خواہوں کے ساتھ برابر کی شریک ہوگی۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ برابری کا حق اسے تب حاصل

Marfat.com

ہو گا جب کہ نکاح مہر مثل کے عوض ہوا ہو۔ اس میں برابر شریک ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مالک کا غلام کی گردن کا مالک ہونا ہی ولایت کا سبب ہے جیسا کہ ہم عنقریب بیان کریں گے۔ اور نکاح کا اتصال قرضخواہوں کے حق کے ساتھ اس طرح نہیں ہوا کہ ان کے حقوق ضائع کرنے کا قصد ہو (بلکہ بشریت کے تقاضے اور حفظِ حرمت کے لئے کیا گیا ہے)

جب نکاح صحیح ہو گیا تو قرض ایسے سبب کی بنا پر واجب ہو گیا جس سے کوئی مفر نہیں اور یہ "دین استہلاک" کے مشابہ ہو گا۔ (جب غلام کسی غیر کا مال ضائع کر دے۔ تو قرض کا تاوان اس کی گردن پر ہوتا ہے)

تو اس غلام کا حال اس مریض جیسا ہے (جو مہلک مرض میں مبتلا تھا جس میں آخر کار مر گیا) جس پر قرض ہو اور وہ کسی عورت سے شادی کر لے۔ تو یہ عورت اپنے مہر مثل کے اندازے کے مطابق باقی قرض خواہوں کے ساتھ برابر کی شریک ہو گی۔

**مسئلہ**:۔ جس شخص نے اپنی باندی کا نکاح کر دیا تو اس پر یہ واجب نہیں کہ باندی کو اپنے شوہر کے گھر بسائے تاکہ وہ باندی اپنے مالک کی خدمت ہی کرے گی اور شوہر سے کہا جائے گا کہ تو موقع ملنے پر اس سے مباشرت کر سکتا ہے کیونکہ مالک کا حقِ خدمت باقی رہتا ہے (نکاح کر دینے سے باطل نہیں ہوتا) اگر شوہر کے گھر بسا یا جائے تو خدمت کا یہ استحقاق باطل ہو جاتا ہے

**مسئلہ**:۔ اگر مولیٰ نے اپنی رضا سے باندی کو شوہر کے ساتھ ایک مکان میں بسایا تو نفقہ اور سکنیٰ کی ذمہ داری شوہر پر ہو گی۔ ورنہ نہیں۔ کیونکہ نفقہ

Marfat.com

اسے گھر کی چار دیواری میں قید رہنے کی بنا پر دیا جاتا ہے۔

مسئلہ :۔ اگر مالک نے اپنی باندی کو شوہر کے ساتھ کسی مکان میں بسا دیا مگر پھر باندی سے خدمت لینے کا خیال پیدا ہوا تو وہ اسے خدمت پر مامور کر سکتا ہے کیونکہ حقِ ملکیت باقی ہونے کی وجہ سے حقِ خدمت باقی ہے اور جس طرح حقِ خدمت نکاح کر دینے سے ساقط نہیں ہوتا اسی طرح شوہر کے ساتھ بسانے سے بھی ساقط نہ ہوگا۔

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ امام محمدؒ نے "الجامع الصغیر" میں مالک کے اپنے غلام یا باندی کا نکاح کر دینے کا تذکرہ تو کیا ہے مگر ان کی رضامندی کا کوئی ذکر نہیں کیا (یعنی یہ نہیں بتایا کہ ان دونوں کی رضامندی صحتِ نکاح کے لئے شرط ہوگی یا نہیں) مگر ہمارے مسلک کے مطابق مالک غلام یا لونڈی کو نکاح پر مجبور کر سکتا ہے۔

البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک غلام پر جبر جائز نہیں۔ امام ابو حنیفہؒ سے بھی اس قسم کی روایت مذکور ہے کیونکہ نکاح کرنا انسانی خصوصیت ہے اور غلام مولیٰ کی ملکیت میں بحیثیتِ مال داخل ہے نہ کہ بحیثیتِ انسان۔ تو مولیٰ اسے نکاح پر مجبور نہیں کر سکتا۔ بخلاف باندی کے (اسے بالاتفاق نکاح پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ مالک خود اس سے تمتع کرنے کا اختیار رکھتا ہے لہٰذا دوسرے کو بھی ان منافع کا اختیار سونپ سکتا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ غلام کے نکاح کر دینے میں اس کی اصلاح مقصود ہوتی ہے تاکہ اسے زنا اور بدکاری سے محفوظ رکھا جا سکے جو کہ

زانی کی ہلاکت اور خسران کا سبب ہوتا ہے تو باندی پر قیاس کرتے ہوئے غلام پر بھی ولایتِ اجبار ثابت ہوگی البتہ مکاتب غلام اور مکاتبہ لونڈی کی صورت اس سے مختلف ہے کیونکہ یہ دونوں آزادیٔ تصرف کے پیشِ نظر آزاد لوگوں میں شامل ہو چکے ہیں لہٰذا ان کی رضامندی نکاح میں شرط ہوگی

**مسئلہ**:۔ اگر کسی شخص نے اپنی باندی کو بیاہ دیا پھر قبل اس کے کہ اس کا شوہر اس سے مباشرت کرتا اسے قتل کر ڈالا۔ تو ابو حنیفہؒ کے نزدیک شوہر کے ذمے اس کا مہر واجب نہ ہوگا۔

صاحبینؒ کہتے ہیں کہ شوہر کو مہر ادا کرنا پڑے گا جیسا کہ اس صورت میں ہوتا جبکہ وہ قدرتی موت مر جاتی (تو شوہر کے ذمہ مہر لازم ہو جاتا) اس کی وجہ یہ ہے کہ جو آدمی قتل ہو جاتا ہے وہ اپنے وقت مقررہ ہی پر مرتا ہے۔ پس مولیٰ کا قتل کرنا ایسا ہوا گویا کہ اس کو کسی اجنبی نے مار ڈالا ہے

امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ مولیٰ نے (مہر کے معاوضے) یعنی اُبضع کو سپرد کرنے سے پہلے ہی روک دیا۔ اس لئے اس کو بُضع کا بدل یعنی مہر بھی نہیں ملنا چاہیئے جیسا کہ حُرّہ کے مرتد ہونے کی صورت میں (اسے مہر نہیں ملا کرتا) اور دنیوی احکام کے لحاظ سے قتل بمنزلہ موت کرنے کے ہے۔ حتیٰ کہ قتلِ عمد میں قصاص اور قتلِ خطا میں دیت واجب ہوتی ہے اسی طرح قتل کرنا مہر کے حق میں بھی مؤثر ہوگا۔

اگر آزاد عورت دخول سے قبل ہی خودکشی کر لے تو اس کے لئے مہر واجب ہوگا۔ امام زفرؒ کو اس میں اختلاف ہے۔ وہ اس صورت کو بھی

Marfat.com

ارتدادِ زوجہ اور مولیٰ کے اپنی باندی کو قتل کرنے کی صورت پر قیاس کرتے ہیں اور جامع اصول ہم بیان کر چکے ہیں۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ انسان کا خود اپنے نفس پر ارتکاب جرم کرنا دنیوی احکام میں معتبر نہیں (البتہ آخرت میں مؤاخذہ ہوگا) تو اس کا خودکشی کرنا قدرتی موت مرنے کے مترادف ہوگا۔ البتہ مولیٰ کا باندی کو قتل کرنا اس سے قطعاً مختلف ہے۔ کیونکہ دنیوی احکام میں اس کا اعتبار کیا جاتا ہے حتیٰ کہ مولیٰ پر کفارہ واجب ہوگا۔

مسئلہ:۔ اگر کسی باندی کے ساتھ نکاح کر لیا جائے تو عزل کی اجازت مولیٰ سے حاصل کرنا ہوگی یہ صورت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہے۔

صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ عزل کی اجازت کا انحصار باندی پر ہے کیونکہ مباشرت اسی کا حق ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ اس کا مطالبہ کر سکتی ہے اور عزل کرنے میں اس کی حق تلفی ہوتی ہے۔

لہٰذا اس کی رضامندی حاصل کرنا ضروری ہوگا جیسا کہ حرہ بیوی کے ساتھ عزل کرنے میں اس کی اجازت لازمی ہوتی ہے بخلاف اپنی مملوکہ لونڈی کے کہ مباشرت کا ہی وہ مطالبہ نہیں کر سکتی۔ (مولیٰ مختار ہوتا ہے) لہٰذا اس کی رضا کا اعتبار بھی نہ ہوگا۔ ظاہر روایت کے قول کی وجہ یہ ہے کہ عزل کرنا بچے کی پیدائش میں مخل ہوتا ہے اور وہ حق مولیٰ ہے لہٰذا مولیٰ کی رضامندی کا اعتبار ہوگا۔ اس بنا پر منکوحہ باندی اور منکوحہ حرہ کا فرق واضح ہو گیا۔ (کیونکہ آزاد عورت کے بچے میں کسی غیر کا حق نہیں ہوتا)

Marfat.com

مسئلہ :۔ اگر باندی نے اپنے مالک کی اجازت سے نکاح کیا۔ پھر اسے آزاد کر دیا گیا تو اسے (نکاح کے فسخ کرنے یا باقی رکھنے کا) اختیار حاصل ہوگا اس کا خاوند خواہ آزاد ہو یا غلام کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بَریرہؓ کو آزاد ہونے پر فرمایا۔ اب تو اپنے نفس کی خود مالکہ ہے۔ لہذا تجھے اختیار ہے۔

مذکورہ حدیث میں اپنے نفس کے خود مالک ہونے کو مطلقاً اختیار کی علت قرار دیا گیا ہے۔ (زوج کے آزاد یا غلام ہونے کی کوئی شرط نہیں) تو یہ دونوں صورتوں کو شامل ہوگا (خاوند آزاد ہو یا غلام)

امام شافعیؒ کو اس سے اختلاف ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر اس کا خاوند غلام ہو تو آزاد شدہ باندی کو اختیار ہوگا اور اگر آزاد ہوگا تو نہیں ہماری پیش کردہ حدیث امام شافعیؒ پر حجت ہے (کیونکہ حدیث مطلق مذکور ہوئی ہے) دوسری دلیل یہ ہے کہ باندی کے آزاد ہو جانے کی صورت میں اس پر ملکیت بڑھ جاتی ہے کیونکہ شوہر اس کی آزادی کے بعد تین طلاقوں کا مالک ہو جاتا ہے۔ تو عورت اس زیادتی سے بچنے کے لئے اصل عقد ہی کو زائل کر سکتی ہے۔

مسئلہ :۔ مکاتبہ باندی کا بھی یہی حکم ہے یعنی جب وہ اپنے مالک کی اجازت سے نکاح کرے پھر اسے آزادی مل جائے (تو یہی صورت ہوگی) امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ اسے اختیار نہ ہوگا کیونکہ اس پر عقد کا نفاذ تو اس کی رضامندی سے ہوا تھا اور مہر کے وصول کرنے کا حق بھی اسے ہی تھا۔ لہذا

Marfat.com

خیار ثابت کرنے کی کوئی وجہ جواز نظر نہیں آتی۔ بخلاف باندی کے کیونکہ اس کی رضامندی ضروری نہیں ہوتی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ خاوند کے حقِ طلاق بڑھ جانے کی وجہ سے اسے خیار حاصل ہو جاتا ہے اور یہ علت مکاتبہ باندی میں بھی موجود ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کی عدت دو حیض اور اس کی طلاقیں دو ہوتی ہیں۔

مسئلہ :۔ اگر لونڈی نے مالک کی اجازت کے بغیر نکاح کر لیا۔ پھر اسے آزادی مل گئی۔ تو نکاح صحیح ہو جائے گا۔ کیونکہ باندی میں نکاح کرنے کی اہلیت تو موجود ہی تھی۔ صرف حق مولیٰ کے پیشِ نظر نکاح کا نفاذ ممنوع تھا مگر اب آزادی کی وجہ سے حق مولیٰ بھی زائل ہو چکا ہے (لہذا اب نکاح کی صحت میں کوئی چیز مانع نہ رہی)

مذکورہ صورت میں لونڈی کو خیار حاصل نہیں ہوگا کیونکہ نکاح کا حکم اس کے آزاد کرنے کے بعد نافذ ہوا ہے۔ اس لئے ملک میں اضافے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جیسا کہ اگر وہ آزادی کے بعد اپنا نکاح خود کر لیتی۔

اگر مولیٰ کی اجازت کے بغیر باندی نے ہزار درہم کے عوض نکاح کر لیا۔ حالانکہ اس کا مہر مثل سو درہم تھا۔ اب شوہر کی مباشرت کے بعد اسے آزادی مل گئی تو مہر مولیٰ وصول کرے گا کیونکہ شوہر نے حفظِ کامل مولیٰ کے مملوکہ منافع سے حاصل کیا ہے۔

اگر شوہر نے مباشرت نہ کی ہو اور اسے آزادی مل جائے تو مہر کی وصولی کا حق عورت کو حاصل ہوگا کیونکہ اس صورت میں شوہر ان منافع سے

لطف اندوز ہوا ہے تو اس عورت کی اپنی ملکیت ہیں۔ مہر سے مراد ہزار درہم ہیں جو خاوند نے بوقتِ عقد مقرر کئے تھے۔ کیونکہ عقد کا نفاذ عقد کے ابتداء کی طرف منسوب کیا جائے گا۔ تو مہر کا مقرر کرنا درست ہوگا۔ اور مسمّٰی ہی واجب ہوگا۔ اسی بنا پر "نکاحِ موقوف" میں وطی کر لینے سے دُوسرا مہر واجب نہیں ہوتا۔ کیونکہ جب عقد کے نفاذ کو عقد کی ابتداء کی طرف منسوب کیا گیا تو وہی ایک عقد رہا۔ لہٰذا صرف ایک مہر ہی واجب ہوگا۔

مسئلہ :۔ اگر کسی نے اپنے بیٹے کی باندی سے مباشرت کی اور اس سے بچہ پیدا ہوا تو یہ باندی باپ کی اُمِّ ولد ہو گی۔ اور اسے باندی کی قیمت بیٹے کو ادا کرنی پڑے گی اور اس پر مہر واجب نہیں ہوگا۔ مسئلے کا مفہوم یہ ہے کہ باپ نے اس بچے کا دعویٰ کیا (کہ یہ میرے نطفے سے ہے)

اس کی وجہ یہ ہے کہ باپ کو بیٹے کے مال کا مالک بننے کی ولایت حاصل ہے تاکہ وہ اپنی زندگی کو باقی رکھ سکے۔ اسی طرح وہ اپنے نطفے کی حفاظت کے سلسلے میں بیٹے کی باندی کا مالک بھی بن سکتا ہے۔ البتہ نسل کے بقا کی حاجت جان کے بقا کی ضرورت سے کم درجہ رکھتی ہے لہٰذا باندی کی قیمت ادا کرنے کے بعد ہی اس کا مالک بن سکے گا اور کھانے پینے کی اشیاء بلا قیمت لے سکتا ہے۔

بیٹے کی باندی پر باپ کو یہ ملکیت اس سے بچہ پیدا ہونے سے پہلے حاصل ہو گی (یعنی یہ ملکیت مباشرت سے بھی پہلے ثابت کی جائے

Marfat.com

گی تاکہ اسے اُمِّ وَلد بنانا صحیح ہو سکے) کیونکہ استیلاد کو صحیح بنانے والی چیز یا تو حقیقی ملک ہے یا حقِ ملک ہے۔ اور باپ کے لئے ان دونوں میں سے کوئی چیز بھی ثابت نہیں۔ حتّٰی کہ اسے اس باندی سے نکاح کرنا بھی جائز ہے لہٰذا ضروری ہے کہ ملک کو مقدّم ثابت کیا جائے۔

مذکورہ تفصیل سے ظاہر ہو گیا کہ باپ کا مباشرت کرنا اس کے ملک میں واقع ہو گا۔ لہٰذا مہر واجب نہ ہو گا۔ امام زفرؒ اور امام شافعیؒ رحیوب عقد کے قائل ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں حضرات باپ کی ملکیّت کو استیلاد کے حکم کے طور پر ثابت کرتے ہیں جیسا کہ مشترکہ باندی میں ہوتا ہے (مثلاً ا اور ب کی ایک مشترکہ باندی ہے اور ا نے مباشرت کر کے اسے اُمِّ ولد بنا لیا تو اس کے ذمّے نصف قیمت اور نصف مہر واجب ہو گا) اور کسی چیز کا حکم ہمیشہ اس چیز کے وجود کے بعد ہوا کرتا ہے (لہٰذا ملکیّت بھی استیلاد کے بعد حاصل ہو گی) یہ اختلافی مسئلہ مشہور ہے۔

مسئلہ:۔ اگر بیٹے نے اپنی باندی کا نکاح باپ سے کر دیا اور اس کے ہاں بچّے کی پیدائش ہو گئی۔ تو وہ باپ کی اُمِّ وَلد نہیں ہو گی اور نہ ہی اس پر باندی کی قیمت واجب ہو گی۔ ہاں باپ پر مہر واجب ہو گا اور باندی کا بیٹا آزاد شمار ہو گا۔ کیونکہ ہمارے نزدیک یہ نکاح درست ہے البتہ امام شافعیؒ جواز نکاح کے قائل نہیں ہیں۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ وہ باندی باپ کے ملک میں نہیں تھی۔ آپ دیکھتے ہیں کہ بیٹا سرِ لحاظ سے اس کا مالک تھا تو یہ محال ہے کہ باپ بھی

Marfat.com

کسی لحاظ سے اس کا مالک ہو۔ نیز بیٹا ایسے تصرفات کا مالک تھا کہ اگر باپ کا مالک ہوتا بھی تو بیٹے کے ان تصرفات کی وجہ سے باقی نہیں رہ سکتا تھا۔ لہذا معلوم ہوگیا کہ باپ کو باندی پر کوئی ملک حاصل نہیں تھا۔ البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ اگر باپ بیٹے کی باندی سے مباشرت کرے۔ تو حد واجب نہیں ہوتی۔ کیونکہ حدود شبہ سے ساقط ہو جایا کرتی ہیں۔

جب نکاح جائز ہوگیا تو باپ کا نطفہ بھی زنا سے محفوظ ہوگیا (اور ولد جائز اور آزاد پیدا ہوگی) لہذا ملک یمین ثابت نہ ہوگی۔ لہذا باندی باپ کی اُم ولد نہ بنے گی۔ چنانچہ نہ باپ پر باندی کی قیمت لازم ہوگی اور نہ ہی اس کی اولاد کی۔ کیونکہ اولاد اور باندی پر باپ کی ملکیت ثابت نہیں ہوئی اور نکاح کرنے کی وجہ سے مہر لازم ہوگا۔ بیٹا اس لئے آزاد ہوگا کہ اس کا مالک اس کا بھائی بنے گا مگر قرابت محرمہ کی وجہ سے اسے آزادی مل جائے گی۔

مسئلہ :۔ امام محمدؒ "الجامع الصغیر" میں فرماتے ہیں، اگر ایک آزاد عورت غلام کی منکوحہ ہو اور وہ غلام کے مالک سے کہے کہ اسے میری طرف سے ایک ہزار درہم کے عوض آزاد کر دیں۔ مولیٰ نے اس کی تعمیل کر دی تو نکاح فاسد ہو جائے گا۔

امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ فاسد نہیں ہوگا۔ اس مسئلے کی بنائے اختلاف یہ ہے کہ ہمارے نزدیک غلام کا آزاد ہونا اس شخص کی طرف سے ہوگا جس نے آزاد کرنے کا حکم دیا تھا حتیٰ کہ ولاء کا مالک بھی وہی ہوگا اور اگر

Marfat.com

وہ اس کی آزادی سے کسی کفارہ کی ادائیگی کی نیت بھی کرے تو عہدہ برا ہو ہو جائے گا۔

امام زفرؒ کے نزدیک آزاد کرنا مامور کی طرف سے ہے کیونکہ آمر نے تو صرف اتنا مطالبہ کیا کہ اس کی طرف سے اسے آزاد کر دیا جائے مگر یہ محال ہے کیونکہ جس غلام کا ایک انسان مالک ہی نہیں وہ اسے آزاد کیسے کر سکتا ہے۔ لہذا آمر کا مطالبہ صحیح نہ ہوگا اور آزادی مامور کی طرف سے واقع ہو گی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ آمر کے مطالبے کی صحت ممکن ہے۔ بایں طور کہ اقتضاء کے طور پر اس کے ملک کو مقدم تسلیم کر لیا جائے۔ کیونکہ اس کی طرف سے آزاد ہونے کے لئے ملکیت کا ہونا شرط ہے۔ آمر کا یہ کہنا کہ میری طرف سے آزاد کر دے۔ گویا اس نے ہزار کے عوض مامور سے اپنے ملک میں لینا چاہا۔ اور پھر غلام کو اپنی طرف سے آزاد کرنے کا حکم دیا اور مامور کا یہ کہنا کہ میں نے آزاد کر دیا گویا یہ پہلے آمر کی ملکیت میں دیتا ہے اور پھر آزاد کرتا ہے تو مذکورہ دلائل سے آمر کا ملک ثابت ہو گیا۔ لہذا نکاح فاسد ہو گیا۔ کیونکہ کوئی غلام اپنی مالکہ سے اور کوئی باندی اپنے مالک سے نکاح نہیں کر سکتی۔

مسئلہ:۔ اگر آزاد عورت نے اپنے غلام خاوند کے بارے میں مالک کو کہا کہ اسے میری طرف سے آزاد کر دیجئے۔ مگر معاوضے میں مال مقرر نہ کیا تو نکاح فاسد نہ ہوگا اور دلالہ کا حق آزاد کرنے والے کا رہے گا یہ

Marfat.com

صورت طرفینؒ کے نزدیک ہے۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اس میں اور پہلی صورت میں کوئی فرق نہیں کیونکہ ملکیت کو مفت ہی میں یعنی بغیر کسی معاوضے کے مقدم کر لیا جائے گا تاکہ اس کا تصرف صحیح ہو سکے اور قبضے کا اعتبار ساقط ہو جائے گا جیسا کہ کفارۂ ظہار میں ہوتا ہے کہ ایک شخص نے ظہار کے کفارے میں ساٹھ مسکین کو کھانا کھلانا تھا۔ لیکن اس نے کسی دوسرے کو حکم دیا کہ تم میری طرف سے کھلا دو۔

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ ہبہ یا تحفے میں چیز کو قبضے میں دینا بالنص ثابت ہے (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لا یصح الھبۃ الا مقبوضۃ) تو شرطِ قبضہ کو نہ تو ساقط کرنا ممکن ہے اور نہ اسے بطور اقتضاء ثابت کیا جا سکتا ہے کیونکہ یہ ایک حسی فعل ہے۔ بخلاف بیع کے کہ وہ ایک شرعی تصرف ہے۔

اور کفارۂ ظہار کے مسئلے میں (قبضہ ساقط نہیں ہوا) کیونکہ فقیر آخر کی طرف سے قبضے میں نائب اور قائم مقام بن جاتا ہے مگر نہ کہ بحیثیت مسکین میں غلام کے مانند کچھ نہیں آتا کہ کسی سے بھی عورت کی طرف سے نائب قرار دیا جائے۔

# مشرکوں کے نکاح کا بیان

مسئلہ :۔ اگر کافر نے گواہوں کے بغیر یا دوسرے کافر کی عدت میں نکاح کر لیا اور ایسا فعل ان کے ہاں جائز ہے پھر میاں بیوی مشرف باسلام ہو گئے تو ان کا نکاح برقرار رکھا جائے گا۔ یہ صورت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے۔

امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ نکاح دونوں صورتوں میں فاسد ہو گا البتہ اسلام لانے سے قبل ان سے تعرض نہیں کیا جائے گا یا جب تک خود قاضی کی عدالت میں مقدمہ دائر نہ کر دیں۔

پہلی صورت میں (جب کہ نکاح گواہوں کے بغیر ہو) صاحبینؒ کی بھی وہی رائے ہے جو امام اعظمؒ کی ہے لیکن دوسری صورت میں (جب کہ نکاح دوسرے کافر کی عدت میں کیا جائے) وہ امام زفرؒ سے متفق ہیں۔

امام زفرؒ کی دلیل یہ ہے کہ شرع کے خطاب میں عموم ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ لہٰذا احکام شرع مشرکوں پر بھی لازم ہوں گے چونکہ وہ ہمارے ذمی ہیں لہٰذا ہم ان سے تعرض نہیں کرتے اور یہ عدم تعرض ہمارے عدم التفات کی بنا پر ہوتا ہے یہ نہیں کہ ہم ان کے فعل کو

برقرار رکھتے ہیں لیکن جب انہوں نے اسلامی عدالت میں مقدمہ دائر کیا یا
اسلام لے آئے اور حرمت تاہنوز موجود ہے (یعنی انہوں نے شرع
اسلام کے مطابق نکاح نہیں کیا) تو ان میں تفریق کرانا ضروری ہوگا۔

صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ جو عورت سابقہ شوہر کی عدت گزار رہی
ہے۔ اسے نکاح میں لانا متفقہ طور پر حرام ہے لہذا مشرکوں پر بھی لازم
ہوگا کہ وہ ان احکام کی تعمیل کریں۔ کیونکہ وہ ہمارے ملک میں تابع کی
حیثیت سے ہوتے ہیں)

البتہ بغیر گواہوں کے نکاح کرنا مختلف فیہ مسئلہ ہے اور ذمیوں کے
لئے ہمارے احکام کا مع تمام اختلافات التزام کرنا ضروری نہیں۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ حرمت کو بطور حق شرع ثابت کرنا ممکن نہیں
کیونکہ وہ لوگ احکام شرع کے مخاطب نہیں ہیں لہذا زوج کا حق نگاہ رکھنے
کے لئے ہم ان پر عدت واجب نہیں کر سکتے۔ کیونکہ شوہر اس چیز پر اعتقاد
ہی نہیں رکھتا۔ بخلاف اس صورت کے جب کہ کتابیہ عورت کسی مسلمان کی
منکوحہ ہو۔ کیونکہ مسلمان اس کا اعتقاد رکھتا ہے اور جب نکاح صحیح ثابت
ہوگیا تو مقدمہ دائر کرنے اور اسلام لانے کی حالت تو بقائے نکاح کی حالت
ہے اور حالت بقا میں شہادت شرط کی حیثیت نہیں رکھتی اور اسی طرح
عدت بھی اس حالت کے منافی نہیں ہے جیسا کہ منکوحہ جس سے وطی بالشبہ
کی گئی ہو (ایک عورت کو پتہ چلا کہ میرا خاوند مر گیا ہے اس نے چار ماہ اور
دس دن کے بعد دوسرے مرد سے شادی کر لی جس نے اس سے مباشرت

بھی کر لی مگر پہلا خاوند بھی آگیا تو پہلے کا نکاح بحال رہے گا اور عورت کو دوسرے خاوند کی عدّت بھی پوری کرنی پڑے گی۔ معلوم ہُوا کہ عدّت بقائے نکاح کے منافی نہیں ہے

مسئلہ :۔ اگر مجوسی مرد نے اپنی ماں یا بیٹی سے نکاح کر لیا۔ پھر دونوں اسلام لے آئے۔ تو متفقہ طور پر ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی کیونکہ صاحبینؒ کے نزدیک تو مجوسیوں کا بھی محرّمات کے ساتھ نکاح کرنا باطل ہے جیسا ہم معتدہ کے مسئلے میں ذکر کر آئے ہیں۔ (یعنی اس حکم کا التزام ذمّی بھی کریں گے) اور مشرف باسلام ہونے کی بنا پر ان سے تعرّض کرنا بھی ضروری ہے لہٰذا تفریق واجب ہو گی۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک، صحیح روایت کے مطابق، مشرکین کا محرّمات کے ساتھ نکاح کرنا بھی صحیح ہو گا۔ البتہ یہ حرمت اسلام لانے کی صورت میں بقائے نکاح کے منافی ہے اس لئے تفریق واجب ہو گی۔ بخلاف عدّت کے کہ وہ نکاح کے منافی نہیں ہوتی۔

مسئلہ :۔ مجوسی مرد و عورت میں سے کسی ایک کے اسلام لانے پر ان میں تفریق کر دی جائے گی۔ مگر ان میں سے ایک کے مقدمہ دائر کرنے سے تفریق نہیں کی جائے گی۔ یہ امام اعظمؒ کا قول ہے۔ صاحبینؒ کو اس قول سے اختلاف ہے۔ وجہ فرق یہ ہے کہ ایک کے مقدمہ دائر کرنے سے دوسرے کا اعتقاد تبدیل نہیں ہوتا۔ مگر کفر پر اصرار کرنے والا مسلم کے اسلام کا معارض نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اسلام (کفر کے مقابلے میں) غالب ہوتا ہے

مغلوب نہیں ہوتا۔

**مسئلہ**:۔ اگر مجوسی میاں بیوی باہم مقدمہ دائر کردیں تو متفقہ طور پر تفریق کرادی جائے گی۔ کیونکہ دونوں کا مقدمہ کرنا ان کے حکم تجویز کرنے کی طرح ہے (اور اگر وہ اہلِ اسلام کو حکم مانیں تو مسلمان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کریں گے)۔

**مسئلہ**:۔ مُرتد مرد کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی مسلمہ یا کافرہ یا مرتدہ عورت سے نکاح کرے کیونکہ مرتد تو مستحقِ قتل ہے اور اسے محض سوچ بچار کے لئے مہلت دی جائے گی لیکن نکاح اس غور و خوض سے مانع ہوگا۔ لہٰذا نکاح اس کے حق میں مشروع نہ ہوگا۔

**مسئلہ**:۔ اسی طرح مرتدہ عورت سے مسلم یا کافر نکاح نہیں کرسکتا کیونکہ اسے بھی غور و فکر کے لئے قید کیا جاتا ہے اور خاوند کی خدمت اسے اس تأمل سے باز رکھے گی۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ مرتدہ عورت اور اس کے خاوند کی ازدواجی مصلحتیں بروئے کار نہ آسکیں گی اور نکاح فی نفسہٖ مشروع نہیں ہوا بلکہ اس کی شرعی حیثیت کا تعین اس کی مصلحتوں کی بنا پر ہوا ہے۔

**مسئلہ**:۔ اگر میاں بیوی میں سے ایک مسلمان ہو تو بچہ مسلمان کے دین میں شامل ہوگا۔ اسی طرح اگر زوجین میں سے ایک مشرف باسلام ہو جائے اور اس کا ایک چھوٹا بچہ بھی ہو تو اس کے اسلام لانے سے بچہ بھی مسلمان ہو جائے گا۔ کیونکہ بچے کو مسلمان قرار دینا اس کے ساتھ شفقت کرنے کے

Marfat.com

مترادف ہے۔

مسئلہ: اگر زوجین میں سے ایک کتابی ہو اور دوسرا مجوسی تو بچہ بھی کتابی ہوگا کیونکہ اس صورت میں کسی حد تک شفقت کا پہلو ملحوظ ہوگا کیونکہ مجوسی اہلِ کتاب سے تسلیماً زیادہ بُرے ہیں۔

امام شافعیؒ اس سے اختلاف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس میں تعارض ہے (کہ اگر بچے کو کتابی بنائیں تو اس کا ذبیحہ حلال ہوگا اور اگر مجوسی قرار دیں تو حرام۔ تو اس تعارض کی بنا پر چھوڑ دیا جائے گا)

مگر ہم تعارض کی بنا پر بچے کو نظر انداز نہیں کرتے بلکہ ہم نے ترجیح کی ایک صورت پیدا کر لی ہے۔

مسئلہ:۔ اگر زوجہ اسلام لے آئے اور خاوند کفر پہ قائم رہے تو قاضی کافر شوہر کے سامنے اسلام پیش کرے گا اگر اس نے تسلیم کر لیا تو عورت اسی کی رہے گی اور اگر انکار کر دے تو دونوں کے درمیان تفریق کر دی جائے گی امام اعظمؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک یہی تفریق طلاق ہوگی۔

اور اگر شوہر مسلمان ہو جائے اور اس کی منکوحہ مجوسیہ ہو تو قاضی اس کے سامنے اسلام پیش کرے گا اگر وہ مان جائے تو اپنے خاوند کے پاس ہی رہے گی۔ اور انکار کی صورت میں قاضی دونوں میں تفریق کر دے گا۔ مگر قاضی کا تفریق کرنا طلاق شمار نہ ہوگا۔

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں ہی یہ تفریق طلاق شمار نہ ہوگی۔

Marfat.com

رہا کافر مرد یا عورت کے سامنے اسلام پیش کرنے کی صورت تو ہم اس کے قائل ہیں۔ امام شافعیؒ اس کے قائل نہیں ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اسلام پیش کرنے سے ان سے تعرض لازم آتا ہے مگر ہم ان سے عہد کر چکے ہیں کہ ہم ان سے کسی قسم کا تعرض یا چھیڑ چھاڑ نہیں کریں گے۔ البتہ مباشرت سے پہلے ملکِ نکاح میں اتنی پختگی نہیں ہوتی لہٰذا ایک کے اسلام لانے سے ہی نکاح منقطع ہو جائے گا اور مباشرت کے بعد نکاح میں پختگی پیدا ہو جاتی ہے لہٰذا تین حیض آنے تک ملتوی رکھا جائے گا جیسا کہ طلاق میں ہوتا ہے (کہ دخول سے پہلے ہی طلاق دی جائے تو فوراً دوسرا نکاح کیا جا سکتا ہے مگر دخول کے بعد طلاق دی جائے تو عدت کے بعد نکاح ہو سکتا ہے)

ہماری دلیل یہ ہے کہ مقاصدِ نکاح تو فوت ہو چکے ہیں تو کسی ایسی چیز کی ضرورت ہے جس پر فرقت کی بنیاد قائم ہو۔ (اور یہ سبب دو ہی ہو سکتے ہیں۔ ایک کا اسلام یا دوسرے کا کفر) مگر اسلام لانا تو طاعت و سعادت ہے وہ فرقت کا سبب نہیں بن سکتا۔ لہٰذا اسلام پیش کیا جائے گا تاکہ نکاح کے مقاصد یا تو اس کے اسلام لانے کی وجہ سے ممکن الحصول ہو جائیں یا پھر اصرار کی وجہ سے فرقت ثابت ہو جائے۔

امام ابو یوسفؒ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ فرقت کا سبب ایسا ہے جس میں عورت و مرد دونوں شریک ہیں تو یہ فرقت طلاق نہ ہو گی جس طرح ملکیت حاصل ہونے کی وجہ سے طلاق ہو جاتی ہے۔

Marfat.com

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ شوہر اسلام سے انکار کرنے کی بنا پر عورت کو معروف طریق سے نہیں رکھ سکتا حالانکہ وہ اسلام لاکر طریقِ معروف کی قدرت رکھتا ہے۔ لہٰذا قاضی طلاق دینے میں خاوند کا قائم مقام ہوگا جیسا کہ مرد کے "مجبوب" اور "عنین" ہونے کی صورت میں قاضی نائب ہوتا ہے مگر عورت طلاق دینے کی اہلیت سے محروم ہوتی ہے تو اس کے انکارِ اسلام کی صورت میں قاضی اس کا قائم مقام نہیں ہو سکتا۔

مسئلہ :۔ جب قاضی عورت کے انکارِ اسلام کی بنا پر ان میں تفریق کر دے تو عورت کو مہر ملے گا بشرطیکہ مرد اس سے مباشرت کر چکا ہو کیونکہ مہر مباشرت سے پختہ ہو جاتا ہے۔

مسئلہ :۔ اگر مرد نے عورت سے مباشرت نہ کی ہو تو عورت کو مہر نہیں ملے گا کیونکہ فرقت مباشرت سے پہلے واقع ہوئی ہے اور مہر ابھی تک پختہ نہیں ہوا تھا لہٰذا یہ صورت مرتد ہونے اور خاوند کے بیٹے کو مباشرت پر اکسانے کے مشابہ ہو گی۔

مسئلہ :۔ جب عورت دار الحرب میں مشرف باسلام ہو اور اس کا خاوند بدستور کافر ہو۔ یا حربی اسلام لے آئے اور اس کی منکوحہ مجوسیہ ہو تو دونوں صورتوں میں تین حیض آنے تک فرقت واقع نہ ہو گی۔ اس کے بعد وہ خاوند سے جدا ہو جائے گی کیونکہ اسلام فرقت کا باعث نہیں بنتا اور حاکمِ اسلام کی ولایت کا تعلق دار الحرب سے نہیں ہے لہٰذا اسلام بھی پیش نہیں کیا جا سکتا۔ مگر باہمی فساد کو دور کرنے کے لئے تفریق بھی ضروری

ہے پس (بجبورًا) ہم نے فرقت کی شرط یعنی تین حیضوں کو سبب کے قائم مقام کر دیا۔ جیسا کہ کنواں کھودنے کو (جیسے کوئی شخص شارع عام میں کنواں کھود دے اور اس میں کسی کا جانور گر کر ہلاک ہو جائے تو کھودنے والا ضامن ہوگا)

مذکورہ بالا مسئلے میں ہمارے نزدیک عورت کے مدخولہ یا غیر مدخولہ ہونے میں کوئی فرق نہ ہوگا۔ مگر امام شافعیؒ اسی طرح فرق کرتے ہیں جس طرح ان کا قول دار الاسلام کے سلسلے میں گزر چکا ہے۔

مسئلہ:۔ جب میاں بیوی میں تفریق واقع ہو جائے اور عورت حربیہ ہے تو عورت پر کوئی عدت نہ ہوگی (اس پر سب ائمہ کا اتفاق ہے) اور اگر عورت مسلمہ ہے تو بھی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہی صورت ہوگی (یعنی اس پر عدت واجب نہ ہوگی) صاحبینؒ کو اس سے اختلاف ہے۔ انشاء اللہ عنقریب ہی اس کی تفصیل بیان کی جائے گی۔

مسئلہ:۔ جب کتابیہ عورت کا (کتابی) شوہر اسلام لے آئے تو دونوں کا نکاح برقرار رہے گا کیونکہ ابتداءً بھی مسلمان شوہر اور کتابیہ عورت کا نکاح صحیح ہوتا ہے اور اس کی بقا تو بدرجۂ اولیٰ درست ہوگی۔

مسئلہ:۔ شیخ قدوریؒ فرماتے ہیں۔ جب شوہر یا زوجہ سے کوئی ایک مسلمان ہو کر دار الحرب سے دار الاسلام میں ہمارے پاس آجائے تو دونوں میں تفریق واقع ہو جائے گی۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ان میں تفریق واقع نہ ہوگی۔

Marfat.com

مسئلہ :۔ اگر زوجین میں سے کوئی ایک گرفتار ہو جائے تو بغیر طلاق کے ہی جدائی واقع ہو جائے گی ۔ لیکن اگر دونوں کو گرفتار کر لیا جائے تو جدائی واقع نہ ہوگی ۔ (کیونکہ ہمارے نزدیک جدائی کا سبب اختلافِ دارین ہے نہ کہ گرفتار ہونا) اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جدائی واقع ہو جائے گی ۔ پس حاصل کلام یہ ہے کہ ہمارے نزدیک جدائی کا سبب اختلافِ دارین ہے نہ کہ گرفتار ہونا اور امام شافعیؒ اس کے برعکس فرماتے ہیں ۔

امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ اختلافِ دار ایسی چیز ہے جو ولایت کے منقطع ہونے میں مؤثر ہے مگر یہ انقطاع فرقت میں مؤثر نہیں ہوتا جیسا کہ حربی کا امان لے کر دارالاسلام میں آنا اور مسلم کا امان لے کر دارالحرب میں جانا (تو اس طرح تباین دار سے فرقت واقع نہیں ہوتی ۔ مگر قید ہو جانے کا تقاضا یہ ہے کہ وہ قید کرنے والے کے حق میں خالص ہو جائے اور یہ صفائی تو نکاح کے منقطع ہونے ہی سے ہوتی ہے اس لئے قیدی کے ذمے سے (دارالحرب کا) قرض ساقط ہو جاتا ہے ۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ دارالاسلام اور دارالحرب کے درمیان حقیقتاً اور حکماً الگ ہونے سے مصالح ازدواجی کا مناسب انتظام نہیں ہو سکتا تو یہ محرمیت کے مشابہ ہو گیا اور گرفتاری سے تو صرف ملکِ رقبہ کا ثبوت ہوتا ہے اور گرفتاری جس طرح ابتدائے نکاح میں نکاح کے منافی نہیں ہوتی تو حالتِ بقا کے منافی بھی نہ ہوگی تو گرفتار ہونا بمنزلہ خریدنے کے ہوگا اور گرفتاری اپنے دائرہ عمل میں صفائی اور خالص ہونے میں جو تقاضا

Marfat.com

کرتی ہے وہ مال ہے محلِ نکاح ہونا نہیں اور امان حاصل کرنے والے کی صورت میں حکماً اختلافِ دار نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس کا ارادہ واپسی کا ہے۔

مسئلہ: جب عورت ہجرت کرکے دارالاسلام میں آجائے تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ نکاح کر سکے اور اس پر عدت بھی واجب نہ ہوگی یہ امام اعظمؒ کے نزدیک ہے مگر صاحبینؒ کہتے ہیں کہ عورت پر عدت واجب ہوگی کیونکہ وقت مباشرت کے بعد دارالاسلام میں آکر واقع ہوئی ہے لہٰذا اسلام کا حکم اس پر لازم ہوگا۔

ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ عدت، تو سابقہ نکاح کا نشان ہے اور عدت کا وجوب اس لئے ہوتا ہے کہ نکاح کا احترام ظاہر ہو۔ مگر حربی کے ملک کا احترام کرنا کہاں ضروری ہے؟ اس لئے گرفتار شدہ عورت پر عدت واجب نہیں ہوتی۔

مسئلہ: اگر ہجرت کرکے آنے والی عورت حاملہ ہو تو وضع حمل سے پہلے نکاح نہ کرے۔ امام ابو حنیفہؒ سے منقول ہے کہ نکاح کرنا تو درست ہے مگر خاوند وضع حمل تک اس سے مباشرت نہیں کر سکتا جیسا کہ زنا سے حاملہ عورت کے مسئلے میں ہوتا ہے (یعنی عورت کو نکاح میں لانا تو جائز ہے لیکن وضع حمل سے قبل شوہر اس سے مباشرت نہیں کر سکتا)

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ حمل ثابت النسب ہے تو جب نسب کے حق میں عورت کا فراش ہونا ظاہر ہے تو اسقیا کا نکاح کی ممانعت کے

بارے میں بھی ظاہر ہوگا (پس جس طرح مباشرت جائز نہیں اسی طرح نکاح بھی جائز نہ ہوگا)

**مسئلہ** :۔ جب زوجین میں سے کوئی ایک (نعوذ باللہ) مرتد ہو جائے تو بغیر طلاق ہی کے جدائی واقع ہو جائے گی۔ یہ امام اعظمؒ اور ابو یوسفؒ کا مسلک ہے۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں۔ اگر ارتداد خاوند کی طرف سے ہو تو یہ فرقت طلاق سے ہوگی۔ امام محمد ارتداد کو اسلام سے انکار کرنے پر قیاس کرتے ہیں اور دونوں میں مشترک علت ہم بیان کر چکے ہیں (یعنی جس طرح انکارِ اسلام سے معروف طور پر مصالح کا انتظام ممکن نہیں ہوتا۔ اسی طرح ارتداد سے بھی ممکن نہیں۔ لہٰذا اس صورت میں بھی قاضی طلاق دینے میں شوہر کا قائم مقام ہوگا)

امام ابو یوسفؒ نے وہی مسلک اختیار کیا ہے جو انکارِ اسلام کی صورت میں مذکور ہوا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ انکارِ اسلام اور ارتداد میں فرق کرتے ہیں اور فرق کی وجہ یہ ہے کہ ارتداد اس لئے نکاح کے منافی ہے کہ وہ عصمت کے منافی ہوتا ہے اور طلاق فقط نکاح کو زائل کرتی ہے لہٰذا ارتداد کو طلاق قرار نہیں دیا جا سکتا۔ بخلاف اسلام سے انکار کرنے کے کیونکہ معروف طریق سے پاس رکھنا ممکن نہیں۔ اس لئے مناسب طریق سے چھوڑ دینا واجب ہوگا۔ جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ لہٰذا انکارِ اسلام کی صورت میں جدائی قضائے قاضی پر موقوف ہوگی۔ مگر ارتداد کی صورت میں قضائے قاضی

Marfat.com

پر موقوف نہ ہوگی۔

مسئلہ :۔ اگر ارتداد عورت کی طرف سے ہوا تو عورت کو مدخولہ ہونے کی صورت میں پورا مہر ملے گا اور غیر مدخولہ ہونے کی صورت میں نصف مہر ملے گا۔

اگر عورت ارتداد اختیار کرے تو مدخولہ ہونے کی صورت میں اسے پورا مہر ملے گا اور اور غیر مدخولہ ہونے کی صورت میں نہ تو اسے مہر ملے گا اور نہ نفقہ کیونکہ فرقت کا سبب خود عورت ہے۔

مسئلہ :۔ اگر دونوں اکٹھے مرتد ہوں اور پھر اکٹھے ہی اسلام لے آئیں تو دونوں کا نکاح برقرار رہے گا۔ یہ استحسان ہے۔

امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ نکاح باطل ہو جائے گا کیونکہ جب ایک کا ارتداد نکاح کے منافی ہے تو دونوں کے مرتد ہونے میں ایک کا ارتداد بھی ہے۔

ہماری دلیل وہ روایت ہے کہ بنی حنیفہ مرتد ہو گئے پھر اسلام لے آئے مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انہیں تجدید نکاح کے متعلق کچھ نہ کہا اور ان کے مرتد ہونے کی تاریخ کا صحیح علم نہیں (کہ پہلے مردوں میں کون مرتد ہوا اور عورتوں میں کون) لہٰذا یہی تصور کیا جائے گا کہ وہ اکٹھے مرتد ہوئے تھے

مسئلہ :۔ اگر دونوں کے ارتداد کے بعد ان میں سے ایک اسلام لے آئے تو نکاح فاسد ہو جائے گا کیونکہ دوسرا ارتداد پر مصر ہے اور یہ ابتداءً نکاح کے منافی ہے جیسا کہ ابتداء میں منافی ہے۔

Marfat.com

# باب القسم

مسئلہ :۔ اگر ایک مرد کے نکاح میں دو حرّہ عورتیں ہوں تو مرد پر واجب ہے کہ باری میں عدل و انصاف سے کام لے خواہ دونوں باکرہ ہوں یا ثیّبہ یا ایک باکرہ ہو اور دوسری ثیّبہ۔ اسی سلسلے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور وہ باری کی تقسیم میں ایک کی طرف زیادہ میلان رکھے تو وہ قیامت کے دن ایسے حال میں پیش ہوگا کہ اس کا وہ پہلو ٹیڑھا ہوگا۔

حضرت عائشہ رضؓ کا ارشاد ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم باری کے سلسلے میں اپنی ازواج میں پوری پوری رواداری اور عدل و انصاف سے کام لیتے اور فرماتے یا اللہ یہ وہ تقسیم ہے جو میرے بس میں تھی۔ مولا اس امر میں مجھ سے مواخذہ نہ فرمائیں جو میرے بس سے باہر ہے یعنی کسی ایک سے طبعی طور پر محبت زیادہ ہو۔ ہم نے جو مذکورہ روایتیں بیان کی ہیں ان میں یہ ملحوظ نہیں رکھا گیا کہ عورت باکرہ ہے یا ثیّبہ۔

مسئلہ :۔ پہلی اور نئی بیوی میں کوئی امتیاز نہ ہوگا کیونکہ مذکورہ روایات مطلق بیان ہوئی ہیں۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ قسامت دیگر حقوق نکاح (نفقہ، سکنیٰ وغیرہ) کی طرح ہے اور ان میں اس قسم کا کوئی تفاوت نہیں۔ باری کی مقدار مقرر کرنا خاوند کے اختیار میں ہے۔ یعنی ایک ایک رات

Marfat.com

یا دو دو یا زیادہ راتیں۔ کیونکہ قسامت میں جو واجب ہے وہ فقط مساوات ہے نہ کہ کوئی خاص طریق۔ مساوات سے مراد صرف شب بسری ہے۔ مباشرت میں مساوات مراد نہیں۔ کیونکہ وہ تو طبیعت کی خوشنودی پر منحصر ہے۔

مسئلہ:۔ اگر دو عورتوں میں سے ایک حرّہ ہے اور دوسری باندی تو حرّہ کا حصہ دو تہائی اور باندی کا ایک تہائی ہوگا۔ اسی طرح حدیثِ نبوی میں وارد ہے۔ (ان الحرۃ ان اقامت علی ضرات فلھا یومان وللامۃ یوم) نیز باندی کی حلّت حرّہ کی حلّت سے کم ہوتی ہے لہذا حقوق میں بھی یہ کمی ثابت رہے گی۔ مکاتبہ، مدبرہ اور ام ولد بھی بمنزلہ باندی شمار ہوں گی۔ کیونکہ ابھی غلامی کا اثر ان پر قائم ہے۔

امام قدوریؒ نے کہا ہے کہ حالتِ سفر میں عورتوں کے لیے حق قسمت ضروری نہیں۔ مرد ان میں سے جسے چاہے سفر میں ساتھ لے جا سکتا ہے بہتر تو یہ ہے کہ ان کے درمیان قرعہ ڈالے اور جس کے نام قرعہ نکلے اسے ساتھ لے جائے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ قرعہ ڈالنا صرف مناسب ہی نہیں بلکہ ضروری ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی سفر پر تشریف لے جاتے تو ازواج مطہرات میں قرعہ اندازی فرماتے۔

ہم کہتے ہیں کہ قرعہ عورتوں کے دل کو خوش کرنے کے لئے ہے لہذا امر استحبابی ہوگا۔ نیز خاوند کی مسافرت کے وقت کسی عورت کو یہ حق حاصل

Marfat.com

نہیں ہوتا۔ کیا آپ کو تسلیم نہیں کہ خاوند کسی کو ساتھ لئے بغیر بھی سفر پر جا سکتا ہے تو پھر جس کو چاہے ساتھ لے جا سکتا ہے اور یہ عرصہ باری میں شمار نہ کیا جائے گا۔

اگر کوئی عورت دوسرے کے لئے اپنی نوبت ترک کر دے تو جائز ہے۔ سودہ بنت زمعہؓ نے حضورؐ سے درخواست کی تھی کہ آپ مجھ سے رجوع کر لیں۔ میں اپنی نوبت عائشہؓ کو دے دوں گی۔ اور عورت اپنا حق دے کر رجوع بھی کر سکتی ہے کیونکہ اس نے وہ حق اپنے ذمے سے ساقط کیا تھا جو ابھی تک واجب نہیں ہوا تھا۔ لیکن کلیتہً ساقط نہ ہوگا۔

Marfat.com

# کتاب الرّضاع

**مسئلہ:** رضاعت سے حرمت ثابت ہو جاتی ہے خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر۔ بشرطیکہ دورانِ مدتِ رضاعت ہو۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر بچہ پانچ دفعہ سیر ہو کر پیئے تو حرمت لازم آتی ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک گھونٹ یا دو گھونٹوں اور ایک دفعہ دودھ داخل کرنے یا دو بار کرنے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی

احناف کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وامھٰتکم اللاتی ارضعنکم" یعنی تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے (آیت میں ایک یا دو گھونٹ یا قلیل و کثیر کی کوئی تخصیص نہیں) نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ رضاعت سے اسی طرح حرمت ثابت ہوتی ہے جس طرح نسب سے۔ ملاحظہ کیجئے۔ کتاب و سنت میں قلیل و کثیر کی کوئی تفریق نہیں (اور یہ دلیل زیادہ معقول ہے) نیز رضاعت سے حرمت اس لئے ثابت ہوتی ہے کہ بچہ دودھ پلانے والی عورت کا جزء اور حصّہ بن جاتا ہے کیونکہ دودھ معدے میں جا کر اس کی مڈلیں اور گوشت میں نشوونما کا باعث بنتا ہے۔ مگر یہ امر پوشیدہ ہے (یعنی اندرونی عمل ہے۔ ہمیں باہر سے کیا پتہ چل

Marfat.com

سکتا ہے کہ اس دودھ نے اسے فائدہ دیا یا نہیں) لہذا حرمت رضاعت کے فعل ہی سے متعلق ہوگی۔ اور امام شافعیؒ کی روایت کی تردید کتاب اللہ سے ہوتی ہے یا وہ منسوخ قرار پاتی ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ یہ فعل رضاعت دودھ پلانے کی مدت کے اندر ہو جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے۔

مسئلہ:۔ امام اعظمؒ کے نزدیک مدتِ رضاعت تیس ماہ ہے۔ صاحبینؒ کے نزدیک دو سال۔ امام شافعیؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔ امام زفرؒ کے نزدیک تین سال مدتِ رضاعت ہے کیونکہ سال کی مدت ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف تغیر و تبدل کے لئے موزوں ہوتی ہے اور ہم آگے چل کر بیان کریں گے کہ دو سال پر کچھ اضافہ کیوں ضروری ہے تو اس کا کچھ اندازہ ہو جائے گا۔ امام زفرؒ کے مسلک کی تفصیل یہ ہے کہ دو سال کا عرصہ تو قرآن کریم سے ثابت ہے لیکن جب دو سال کے بعد بچے کا دودھ فوراً چھڑا دیا جائے اور اسی وقت غذا کی طرف رجوع کیا جائے تو اس سے بچے کی نشوونما صحت کا خطرہ ہے اس لئے دودھ سے غذا کی طرف انتقالی حالت کا اندازہ ایک سال بہت معقول عرصہ ہے جس میں دودھ چھوڑنے کے ساتھ ساتھ بچہ غذا کا عادی بھی بن جاتا ہے)۔

صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ قرآنِ کریم میں "وحمله وفصاله ثلثون شهرا"۔ وارد ہے اور کم از کم مدتِ حمل چھ ماہ ہے۔ لہذا باقی دو

Marfat.com

سال رہ گئے۔ اس بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی ہے کہ دو سال کے بعد رضاعت نہیں ہوتی۔

امام اعظمؒ بھی مذکورہ آیت قرآنیہ ہی سے تمسک کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آیت میں دو چیزیں حمل اور فصال کا ذکر فرمایا ہے اور دونوں کی مدت بھی ایک بیان کی گئی ہے لہٰذا یہ مدت دونوں میں سے ہر ایک کے لئے کامل طور پر شمار ہوگی۔ جس طرح زید قرضوں کے لئے ایک مدت کی تعیین ہو جاتی ہے (جیسا کہ کوئی کہے کہ مجھے زید کے تین سو روپے اور عمر کے چار سو روپے ایک سال تک ادا کرنے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ دونوں کا قرضہ چھ چھ ماہ کے بعد واجب الادا ہوگا البتہ ایک چیز کی مدت میں کمی حدیث سے واضح ہے۔ لہٰذا دوسری چیز کی مدت اپنے ظاہر پر باقی رہے گی۔

امام اعظمؒ کی دوسری دلیل یہ ہے کہ ترک رضاعت کے وقت تبدیلی غذا بھی لازمی ہوگی تاکہ دودھ سے نشوونما منقطع ہو جائے اور اس تغیر کے لئے کچھ مدت درکار ہے کیونکہ بچہ دودھ کے علاوہ کسی دوسری غذا کا عادی بن سکے تو ہم اس عرصے کو ادنیٰ مدت حمل پر قیاس کر لیں گے۔ کیونکہ اتنے عرصے میں تغیر ہو جاتا ہے جنین کی غذا شیر خوار بچے کی غذا سے مختلف ہوتی ہے جیسا کہ دودھ پیتے بچے کی غذا اس سے مختلف ہو جاتی ہے۔

صاحبینؒ کی پیش کردہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ دو سال کی مدت

Marfat.com

تک رضاعت واجب ہے۔ دو سال کے بعد وجوب نہیں رہتا۔ بلکہ بچے کی حالت کے مدِ نظر چھ ماہ کا اضافہ کیا جاتا ہے) اور قرآنِ کریم کے ارشاد والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین "کا مقصد بھی مدّتِ وجوب و استحقاق ہے (کیونکہ بعد میں مذکور ہے۔" فان اراد فصالاً عن تراض" الایۃ۔ یہاں حرف فاد تراض کے متعلق ہے اور اگر دو سال کے بعد دودھ پلانا حرام ہوتا تو فاء رضا سے مرتبط نہیں ہو سکتی کیونکہ محرمات شرعیہ کے ترک کرنے میں کسی کی رضا کی ضرورت نہیں ہوتی)

مسئلہ: جب مدتِ رضاعت گزر جائے تو رضاع سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ حدیث میں آتا ہے کہ "فصال" کے بعد "رضاع" نہیں ہوتا اور چونکہ حُرمت کا تعلق باعتبار نشوونما کے تھا اور یہ نشوونما ایک معیّن مدت میں ہوتی ہے کیونکہ بڑی عمر والے کی نشوونما اس دودھ سے نہیں ہوتی۔ رضاع کی مدّت ختم ہونے سے پہلے فِطام یعنی دُودھ چھڑانا معتبر نہ ہوگا (مثلاً ایک لڑکے کا دودھ ڈیڑھ سال کے بعد چھڑا دیا گیا اور اس نے بقیہ چھ ماہ کے اندر اندر کسی دوسری عورت کا دودھ پی لیا تو حرمت ثابت ہو جائے گی) امام اعظمؒ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اگر بچہ (دودھ چھڑانے کے بعد) دودھ پینے کی پرواہ نہ کرے تو حرمت ثابت نہ ہوگی کیونکہ غذا کے بدلنے سے (دودھ والی) نشوونما رک گئی ہے۔

کیا مدتِ رضاعت کے بعد بھی دودھ پلانا جائز ہے؟ کہا جاتا ہے

Marfat.com

کہ جائز نہیں۔ کیونکہ دُودھ انسان کا جزء ہوتا ہے اور اس کی اباحت ضرورت کے تحت ہوتی ہے۔ (یعنی دودھ آدمی کا جزء ہے اور آدمی کے جزء سے بلاضرورت نفع اٹھانا جائز نہیں۔ مدّتِ رضاعت میں تو بچے کی جان کا خطرہ ہوتا ہے کہ دودھ نہ پلانے سے مر جائے گا۔ مگر جب بچہ غذا کا استعمال کر سکے تو دودھ کی ضرورت نہیں رہتی)

**مسئلہ**:۔ جن عورتوں میں نسبی رشتے کی بنا پر نکاح جائز نہیں ان میں بوجہ رشتۂ رضاعی بھی نکاح ممنوع ہے اس کی تائید میں ہم ایک حدیث پیش کر چکے ہیں مگر رضاعی بہن کی ماں سے نکاح جائز ہے لیکن اپنی نسبی بہن کی ماں سے جائز نہیں۔ کیونکہ وہ یا تو اس کی بھی ماں ہو گی۔ یا اس کے باپ کی موطوءہ ہو گی۔ بخلاف رضاعت کے کہ وہاں اس قسم کی نسبت ثابت نہیں ہوتی۔ فقہاء نے اس رضاعت کی تین صورتیں بیان کی ہیں:۔
۱۔ نسبی بہن کی رضاعی ماں۔ ۲۔ رضاعی بہن کی نسبی ماں۔ ۳۔ رضاعی بہن کی رضاعی ماں)

**مسئلہ**:۔ رضاعی بیٹے کی بہن سے بھی نکاح جائز ہو گا (فتح القدیر شرح ہدایہ صـ۱۳۶ پر اس کی بھی تین صورتیں درج ہیں۔

۱۔ له ابن من النسب له اخت من الرضاعة بأن ارتضع مع اجنبية من لم تكن امرأة ابيه حلت لابيه۔

۲۔ له ابن من الرضاع بأن ارتضع زوجة الرجل حلت للرجل اخته من النسب۔

Marfat.com

۳۔ لہ ابن من الرضاع کما ذکرنا لہ اخت من الرضاعۃ من غیر زوجۃ تلک الرجل بان ارتضع ذالک الولد امرأتین حلت اختہ لابیہ من الرضاعۃ)

لیکن نسبی بیٹے کی بہن سے نکاح جائز نہیں ہے۔ کیونکہ جب وہ اس کی ماں سے مباشرت کرے گا تو بیٹے کی بہن اس پر حرام ہوگئی لیکن رضاع میں یہ معنی موجود نہیں ہے۔

مسئلہ :۔ اپنے رضاعی باپ کی عورت اور رضاعی بیٹے کی بیوی سے نکاح جائز نہیں جیسا کہ نسبی طور پر بھی جائز نہیں۔ اس کی دلیل پہلے بیان کی جا چکی ہے (پہلے کی صورت یہ ہے کہ ایک تو وہ عورت ہے جس کا اس نے دودھ پیا تھا۔ وہ تو اس کی رضاعی ماں ہے مگر اس رضاعی باپ کی دوسری بیوی ہو تو اس سے بھی نکاح جائز نہیں۔ دوسرے مسئلہ کی صورت میں نکاح اس لئے ناجائز ہے کہ رضاعی بیٹے کی بیوی بہو بن جاتی ہے)

سوال :۔ قرآن کریم میں تو محض اصلاب کا ذکر ہے "وحلائل ابنائکم الذین من اصلابکم" لیکن یہ رضاع کی حرمت کہاں سے ثابت ہوئی۔

جواب :۔ ہم پہلے فصل محرمات میں بیان کر چکے ہیں کہ نص قرآنی میں اصلاب کا ذکر تخصیص کے لئے نہیں ہے بلکہ اس سے مراد تو متبنّٰی کی بیوی کے جواز کا حکم ہے۔ یہ نص تو متبنّٰی کے اعتبار کو ساقط کرنے کے

Marfat.com

لئے ہے۔ (رضاعت کی حرمت سے اس کا کوئی تعلق نہیں)

مسئلہ:۔ کسی عورت کا دودھ پینے پر اس کے خاوند سے بھی نکاح حرام ہوگا۔ مثلاً ایک عورت نے کسی لڑکی کو دودھ پلایا تو یہ لڑکی مرضعہ کے شوہر، اس کے بیٹوں اور آباء پر حرام ہوگی اور زوج جو نزولِ لبن کا سبب ہے وہ بچی کا باپ بن گیا۔

امام شافعیؒ سے ایک قول یہ بھی منقول ہے کہ لبنِ فحل سے حرمت متعلق نہیں ہوتی کیونکہ حرمت کا ثبوت تو نشوونما میں اس کے جزء ہو جانے کے شبہ پر ہوتا ہے اور دودھ عورت کا جزء ہے نہ کہ مرد کا۔

ہماری دلیل وہی مذکورہ حدیث ہے۔ نیز جس طرح نسبی حرمت جانبین سے ہوتی ہے اسی طرح رضاعت سے بھی ہوگی اور حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی اس کی تائید کرتا ہے جو آپ نے اُمّ المومنین عائشہ رضؓ کو فرمایا کہ افلح تمہارے پاس آجا سکتا ہے کیونکہ وہ رضاعی اعتبار سے تمہارا چچا ہے۔ نیز مرد چونکہ نزولِ لبن کا سبب ہے لہٰذا احتیاط کو ملحوظ رکھتے ہوئے حرمت اس کی جانب بھی منسوب کی جائے گی۔

مسئلہ:۔ رضاعی بھائی کی بہن سے نکاح جائز ہے۔ (یہاں بھی مذکورہ تین صورتیں ممکن ہیں ۱۔ نسبی بہن کا رضاعی۔ ۲۔ رضاعی بہن کا نسبی بھائی ۳۔ رضاعی بہن کا رضاعی بھائی) کیونکہ نسبی بھائی کی بہن سے بھی نکاح جائز ہے۔ لہٰذا رضاعت میں بھی ممانعت نہ ہوگی۔ مثلاً اور رب باپ

Marfat.com

کی طرف سے بھائی ہیں اور ب کی ماں کی طرف سے ایک بہن ہے تو واس سے نکاح کر سکتا ہے۔

مسئلہ :۔ بردہ دو بچے جو ایک ہی عورت کا دودھ پئیں۔ تو ان میں کوئی دوسرے سے نکاح نہیں کر سکتا۔ یہی اصل کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ ان کی ماں ایک ہو گئی اور وہ آپس میں بہن بھائی بن گئے۔

مسئلہ :۔ کوئی عورت اپنے دودھ پلانے والی کے بیٹوں میں سے کسی کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتی کیونکہ وہ اس کے بھائی ہیں اور نہ ہی اس کے پوتوں کے ساتھ کیونکہ وہ اس کے بھتیجے ہیں۔

مسئلہ :۔ دودھ پلنے والا بچہ اپنی دایہ کے خاوند کی بہن سے نکاح نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ اس کی رضاعی پھوپھی بن جاتی ہے۔

مسئلہ :۔ اگر دودھ پانی کے ساتھ مل جائے اور دودھ زیادہ ہو تو حرمت ثابت ہو گی۔ لیکن اگر پانی زیادہ ہو تو حرمت ثابت نہ ہو گی مگر امام شافعیؒ اس صورت میں بھی حرمت کے قائل ہیں۔ کیونکہ دودھ کے مغلوب ہونے کی صورت میں بھی دودھ کا وجود حقیقی طور پر قائم رہتا ہے (لہذا تحریم ثابت ہو گی)۔

علمائے احناف کہتے ہیں کہ مغلوب حکماً غیر موجود قرار دیا جائے گا اور وہ غالب کے مقابلے میں نہ آسکے گا جس طرح قسموں میں ہوتا ہے اگر ایک شخص نے قسم کھائی کہ میں دودھ نہیں پیوں گا مگر ایسا پانی پیا جس میں دودھ کی تھوڑی سی مقدار تھی تو حانث نہ ہو گا)

Marfat.com

مسئلہ :۔ اگر دودھ کھانے کے ساتھ مل جائے تو غالب ہونے کی صورت میں بھی امام اعظمؒ کے نزدیک حُرمت ثابت نہ ہوگی۔

صاحبینؒ کے نزدیک غالب ہونے کی صورت میں حرمت ثابت ہو جائے گی بشرطیکہ دودھ کو آگ پر گرم نہ کیا جائے۔ اگر کھانا دُودھ کے ساتھ ہی پکایا جائے تو بالاتفاق حرمت ثابت نہ ہوگی۔

صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ اعتبار غالب کا ہوتا ہے۔ جیسا کہ پانی میں جب تک کہ کوئی چیز اسے اپنی حالت سے تبدیل نہ کر دے۔ امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ غذائیت میں طعام اصل کی حیثیت رکھتا ہے اور دودھ اس کے تابع ہے تو یہ مغلوب شمار ہوگا (بعض فقہاء نے کہا کہ اگر لقمہ اٹھاتے ہوئے دودھ کے قطرے گر رہے ہوں تو امام اعظمؒ کے نزدیک بھی حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔ لیکن صاحبِ ہدایہ کہتے ہیں) تقاطر لبن کا کوئی اعتبار نہیں۔ کیونکہ غذائیت تو طعام سے ہو رہی ہے اور یہی اصل ہے۔

مسئلہ :۔ اگر دودھ دوا کے ساتھ مل گیا مگر غالب رہا تو حرمت ثابت ہو جائے گی۔ کیونکہ دودھ کو اصل اور مقصود کی حیثیت حاصل رہتی ہے اور دوا تو محض دودھ کو جسم میں پہنچانے کے لئے تقویت بخشتی ہے۔

مسئلہ :۔ جب عورت کا دودھ بکری کے دُودھ کے ساتھ مل جائے (تو غالب کا اعتبار ہوگا) اور عورت کا دودھ غالب رہا تو حرمت

Marfat.com

ثابت ہوگی۔ اگر بکری کا دودھ غالب رہا تو حرمت ثابت نہ ہوگی۔ اس میں بھی "غالب کا اعتبار ہوگا۔ جیسا کہ دودھ میں پانی ملنے پر غالب کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔

مسئلہ :۔ جب دو عورتوں کا دودھ مختلط ہو تو ابو یوسفؒ کے نزدیک حرمت اس دودھ سے ثابت ہوگی۔ جو نسبتاً غالب ہے۔ کیونکہ دونوں دودھ مل کر شے واحد بن گئے۔ لہٰذا اصولاً قلیل کو غالب کا تابع شمار کیا جائے گا اور کثیر پر فیصلے کا دار و مدار ہوگا۔ امام محمدؒ اور امام زفرؒ کے نزدیک دونوں سے حرمت ثابت ہوگی۔ کیونکہ کوئی جنس اسی جنس پر غالب نہیں ہوا کرتی کیونکہ مقصود مشترک ہونے پر کوئی شے اپنی جنس کے اعتبار سے فنا نہیں ہوا کرتی۔

امام اعظمؒ سے اس مسئلہ میں دو روایتیں بیان کی جاتی ہیں۔ یہ مسئلہ قسموں کے باب میں تفصیل سے مذکور ہے (مثلاً ایک شخص نے قسم کھائی کہ میں اس گائے کا دودھ نہیں پیوں گا لیکن اس نے دوسری گائے کا دودھ پی لیا جس میں قسم والی گائے کا دودھ بھی مخلوط تھا۔ تو ابو یوسفؒ کے نزدیک غالب کا اعتبار ہے۔ امام محمدؒ اور زفرؒ کے نزدیک حانث ہوگا۔ امام اعظمؒ سے دو روایتیں ہوں گی۔

مسئلہ :۔ اگر ایک عورت کو دوشیزگی میں ہی دودھ اتر آئے اور وہ کسی بچے کو پلا دے تو اس سے حرمت ثابت ہو گی۔ کیونکہ نص قطعی (وامھٰتکم التی ارضعتکم) مطلق مذکور ہوئی ہے۔ نیز دودھ نشوونما کا باعث ہوتا

ہے لہذا اس سے جزئیت کا شبہ ثابت ہوتا ہے۔

مسئلہ :۔ اگر کسی عورت کا دودھ اس کے مرنے کے بعد حاصل کیا جائے اور بچے کو پلا دیا جائے تو اس سے حرمت ثابت ہو گی۔ امام شافعیؒ اس سے اختلاف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ثبوتِ حرمت میں جو اصل کی حیثیت رکھتی ہے وہ متوفیہ عورت ہے۔ اسی کے واسطے سے حرمت دوسروں کی طرف متعدی ہوتی ہے۔ مگر اب عورت موت کی وجہ سے محلِ حرمت ہی نہ رہی اسی لئے اس کی مباشرت سے حرمتِ مصاہرت بھی ثابت نہیں ہوتی۔

ہم امام شافعیؒ کے جواب میں کہتے ہیں۔ حرمتِ رضاع کا سبب شبہ جزئیت ہے اور یہ معنی ابھی تک دودھ میں باقی ہے۔ کیونکہ اس میں نشوونما کی قوت موجود ہے لہذا یہ دودھ کا ہی قائم مقام شمار ہو گا اس جزئیت کا فائدہ غسل اور دفن کی صورت میں ظاہر ہو گا اور مباشرت سے حرمتِ مصاہرت اس وقت ثابت ہوتی ہے جب مباشرت زندہ عورت سے کی جائے جو بمنزلہ یقینی کے ہوتی ہے اور وہ صورت موت سے زائل ہو گئی لہذا دونوں مسائل الگ الگ ہیں۔

مسئلہ :۔ اگر بچے کو دودھ کے ساتھ خنثہ کیا جائے تو اس سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ امام محمدؒ کے نزدیک حرمت ثابت ہے جیسا کہ خنثے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے لیکن دونوں میں جو واضح فرق ہے وہ صاف ظاہر ہے کہ روزہ اس لئے فاسد ہوتا ہے کہ خنثے سے پان

Marfat.com

کی اصلاح ہوتی ہے اور رضاعت میں حرمت کا سبب نشوونما ہے مگر یہ سبب حقنے میں موجود نہیں۔ کیونکہ غذا وہی جزء بدن بنتی ہے جو بالائی یعنی منہ کے راستے جسم میں پہنچے۔

مسئلہ:۔ اگر مرد کا دودھ اتر آئے اور وہ بچے کو پلا دے تو اس سے حرمت ثابت نہ ہوگی کیونکہ درحقیقت وہ دودھ ہی نہیں ہے لہذا اس میں نشوونما کی خصوصیت مفقود ہے اور یہ واضح ہے کیونکہ نشوونما کا تصور اسی کے دودھ میں کیا جا سکتا ہے جس سے ولادت متصور ہو۔

مسئلہ:۔ اگر دو بچے ایک بکری کا دودھ پی لیں تو اس سے حرمت ثابت نہ ہوگی۔ کیونکہ انسان اور حیوان میں جزئیت نہیں ہوتی اور حرمت کا ثبوت محض جزئیت پر مبنی ہے۔

مسئلہ:۔ اگر ایک مرد نے ایک بالغہ اور ایک کم سن عورت سے شادی کر لی اور بڑی نے چھوٹی کو دودھ پلا دیا تو مرد پر دونوں حرام ہوں گی کیونکہ مرد اس صورت میں رضاعی ماں اور بیٹی کا جمع کرنے والا ٹھہرتا ہے اور یہ جمع نسب کی طرح حرام ہے (اگر بڑی سے مباشرت نہ کی ہو تو چھوٹی سے نکاح جائز ہوگا)

مسئلہ:۔ اگر بڑی غیر مدخولہ ہو تو اسے کچھ مہر نہیں ملے گا کیونکہ قبل از مباشرت یہ تفریق بڑی عورت کے اپنے فعل کی وجہ سے ہوئی ہے۔

مسئلہ:۔ صغیرہ کو نصف مہر ملے گا کیونکہ فرقت اس کی وجہ سے عمل میں نہیں آئی اگرچہ دودھ کا پینا صغیرہ کا فعل ہے مگر یہ فعل اس کا

Marfat.com

حق ساقط کرنے میں شرعًا معتبر نہیں۔ جیسا کہ اگر صغیرہ اپنے مورث کو قتل کر دے (تو بھی میراث سے محروم نہ ہو گی)۔

مسئلہ :۔ اگر کبیرہ نے عمدًا یہ فعل کیا (یعنی فسادِ نکاح کا باعث بنی) تو مرد نصف مہر اس سے لے کر صغیرہ کو دے گا۔ لیکن اگر کبیرہ نے جان بوجھ کر یہ فساد برپا نہیں کیا خواہ اسے صغیرہ کے بیوی ہونے کا علم بھی ہو تو اس پر کوئی شے واجب نہ ہو گی۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں (یعنی خواہ کبیرہ نے فساد نکاح کا ارادہ کیا یا نہ کیا) اسے نصف مہر ادا کرنا پڑے گا۔ صاحبِ کتاب کے نزدیک پہلی روایت ہی درست ہے جو ظاہر روایت میں مذکور ہے کیونکہ جو نصف مہر مرد سے ساقط ہو سکتا تھا کبیرہ نے دودھ پلا کر اسے پختہ کر دیا تو یہ پختگی اس نقصان کے قائم مقام بن گئی۔ مگر کبیرہ نے ارادۃً ایسا نقصان نہیں کیا۔ البتہ اس کا سبب ضرور بنی ہے۔ رہا دودھ کا پلانا تو یہ فعل اپنی اصل اور وضع کے اعتبار سے نکاح کے لئے فاسد قرار نہیں پاتا بلکہ نکاح کا فساد محض اتفاقًا ہو گیا ہے۔

نیز ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ فسادِ نکاح سے مہر واجب نہیں ہوا کرتا بلکہ اس سے تو مہر ساقط ہو جاتا ہے البتہ نصف مہر بطریق متعہ واجب ہوا ہے جیسا کہ معروف ہے لیکن متعہ کے وجوب کی شرط نکاح کا باطل ہونا ہے اور جب عورت اس نکاح کے باطل ہونے کا سبب بنی تو یہ شرط لازم تھی کہ عورت کی طرف سے یہ تعدی اور زیادتی ہوتی جیسا کہ

Marfat.com

کنواں کھودنے کے مسئلہ میں (ایک شخص نے کنواں کھودا اور اس میں کوئی شخص گر کر مر گیا۔ اب کنواں کھودنے والا اس کے گرنے کا سبب ہے لیکن دیکھا جائے گا کہ اگر کنواں شارع عام میں کھودا گیا تو کھودنے والے پر تاوان ہوگا لیکن اگر اس نے اپنی زمین میں کھودا ہے تو اب اس کی تعدی یا زیادتی نہیں ہے کہ اس پر تاوان واجب کیا جائے۔

اگر عورت نے واقعی تعدی سے کام لیا اور اسے صغیرہ کے نکاح کا علم تھا مگر محض فساد کی نیت سے اسے دودھ پلا دیا تو اب وہ بقیناً نصف مہر کی ذمہ دار ہوگی) لیکن دوسری صورت میں جبکہ اسے نکاح کا علم ہی نہ تھا۔ یا علم تو تھا مگر اس کی نیت یہ تھی کہ صغیرہ کی بھوک بے قابو ہو جائے اور کہیں وہ بھوک سے ہلاک ہی نہ ہو جائے لیکن اس کی نیت فساد کی نہ تھی۔ تو اس صورت میں تعدی کا پہلو موجود نہیں کیونکہ عورت دودھ پلانے پر ہی مامور ہے اور ہلاکت سے بچانے کے لئے دودھ پلانا اس کا اخلاقی فرض ہے۔

اگر اسے نکاح کا علم تو تھا مگر اس کے فاسد ہونے کی صورت کا علم نہ تھا تو بھی عورت کی تعدی ثابت نہیں ہوتی۔ (اگر کہا جائے کہ دارالاسلام میں کسی شرعی مسئلہ سے جاہل رہنا عذر نہیں بن سکتا تو عورت کو اس جہالت کی سزا کیوں نہیں دی جاتی۔ صاحب کتاب اس کے جواب میں کہتے ہیں) ہم نے اس جہالت کا اعتبار عورت کا ارادہ فاسد نہ ہونے کی بنا پر کیا ہے نہ کہ اس اصول کی تردید کی ہے

Marfat.com

یعنی ہم نے قانون کے لفظ کو پیش نظر نہیں رکھا بلکہ اس کی روح کو ملحوظ رکھا ہے۔

مسئلہ :۔ رضاع میں صرف عورتوں کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی بلکہ رضاعت کا ثبوت دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت سے ہوگا۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ایک عادلہ عورت کی شہادت بھی حرمت رضاع کے ثبوت کے لئے کافی ہے کیونکہ حرمت رضاعت بھی، دوسرے شرعی حقوق کی طرح ایک حق ہے اس لئے اس کا ثبوت خبر واحد سے بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ ایک شخص گوشت خریدے اور اسے ایک آدمی بتائے کہ یہ مجوسی کا ذبیحہ ہے (تو اب خبر واحد کی بنا پر ہی اس کے لئے کھانا جائز نہ ہوگا)

ہمارے علماء کا جواب یہ ہے (کہ آپ کا گوشت کے خریدار پر اس مسئلے کو قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے کیونکہ یہ مسئلہ رضاعت والا مسئلہ حقوق العباد سے تعلق رکھتا ہے اور خریداری گوشت والا حقوق اللہ سے) کہ نکاح میں اگر حرمت ثابت ہو جائے تو اسی وقت ملک نکاح زائل ہو جاتا ہے اور کوئی ملک اس وقت تک باطل نہیں ہوتا جب تک کہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہی نہ دے دیں۔ البتہ گوشت والے مسئلے کی صورت مختلف ہے کیونکہ حرمت تبادلی زوالِ ملک سے الگ بھی ہو سکتی ہے کہ ایک چیز حرام بھی ہو اور

Marfat.com

مطالعہ علوم اسلامیہ

اردو ترجمہ

# کتاب النکاح

## من الہدایۃ

المکتبۃ العلمیۃ

۱۵۔ لیک روڈ، لاہور

طبع پاکستان